BNUR401AET

بنیادی اردو۔2

(Buniyadi Urdu-2)

بی۔اے/بی۔کام/بی۔ایس سی۔ (آنرس)

(چوتھا سمسٹر)

مرکز برائے فاصلاتی و آن لائن تعلیم

مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی

حیدرآباد، تلنگانہ، بھارت 500032

Copyright © 2026, Maulana Azad National Urdu University, Hyderabad
All right reserved. No part of this publication may be reproduced or transmitted in any form or by any means, electronically or mechanically, including photocopying, recording or any information storage or retrieval system, without prior permission in writing form the publisher (registrar@manuu.edu.in)

ISBN : 978-81-68324-30-5
Course : Buniyadi Urdu-2
First Edition : August 2026
Copies : 7000
Price : 105/- (The price of the book is included in admission fee of distance mode students)

Course Coordinator

Dr. Irshad Ahmad, Assistant Professor (Urdu), CDOE, MANUU, Hyderabad

Editorial Board/Editors

Prof. Nikhath Jahan, Professor Urdu
CDOE, MANUU

Prof. Md. Naseemuddin Farees, Urdu Consultant CDOE, MANUU

Dr. Irshad Ahmad, Assistant Professor
CDOE, MANUU

Dr. Sabir Ali Siwani, Assistant Professor
CDOE, MANUU

Dr. Talath Jahan, Urdu Consultant
CDOE, MANUU

Dr. Md Nehal Afroz, Asst. Prof. (C) CDOE, MANUU

Dr. Mohd Akmal Khan, Asst. Prof. (C)
CDOE, MANUU

Dr. Mohd Jafar, Asst. Prof. (C) CDOE, MANUU

Production

Prof. Nikhath Jahan
Professor (Urdu)
CDOE MANUU

Mr. P. Habibulla
Assistant Registrar, Purchase & Stores Section, MANUU

Dr. Mohd Akmal Khan
Assistant Professor (C)
CDOE MANUU

Mohd Abdul Naseer
Section Officer, CDOE MANUU

Shaik Ismail
UDC, CDOE, MANUU

Syed Faheemuddin, LDC
Purchase & Stores Section, MANUU

On behalf of the Registrar, Published by:

Centre for Distance and Online Education
Maulana Azad National Urdu University
Gachibowli, Hyderabad-500032 (TG), India
*Director:*dir.dde@manuu.edu.in*Publication:*ddepublication@manuu.edu.in
Phone number: 040-23008314 Website: manuu.edu.in

CRC Prepared by Dr. Mohd Akmal Khan, Faculty of Urdu, CDOE, MANUU

Printed at: Print Time & Business Enterprises, Hyderabad

فہرست

پیغام	وائس چانسلر، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی	5
پیغام	ڈائرکٹر، مرکز برائے فاصلاتی و آن لائن تعلیم	6
کورس کا تعارف	کورس کوآرڈی نیٹر	7
اکائی نمبر اکائی کا نام	**مصنف**	**صفحہ نمبر**
بلاک I قواعد: صنائع وبدائع		
1- جملہ اور اس کی اقسام	پروفیسر محمد نسیم الدین فریس	9
2- محاورے، کہاوتیں، سابقے لاحقے، مترادف اور متضاد الفاظ	ڈاکٹر سید محمود کاظمی	24
3- صنائع وبدائع: تشبیہ ، استعارہ، مجاز مرسل، کنایہ	ڈاکٹر سید محمود کاظمی	40
4- صنائع وبدائع: حسن تعلیل، مراعات النظیر، تضاد، تکرار، تجنیس، تلمیح، لف و نشر، ایہام	ڈاکٹر محمد اکمل خان	56
بلاک II: عبارت وانشا		
5- درخواست نویسی	پروفیسر فضل اللہ مکرم	72
6- خطوط نگاری	ڈاکٹر احمد خان	87
7- مضمون نگاری	ڈاکٹر ابو شہیم خان	104
8- انشا پردازی	ڈاکٹر بی بی رضا خاتون	120
نمونہ امتحانی پرچہ		135

مصنفین کی تفصیلات

(Writer's Details)

Prof. Mohd Naseemuddin Farees, Urdu Consultant, CDOE, MANUU, Hyderabad	**پروفیسر محمد نسیم الدین فریس**، اردو کنسلٹنٹ مرکز برائے فاصلاتی اور آن لائن تعلیم، مانو، حیدر آباد
Prof. Syed Mahmood Kazmi, Dept of Translation, MANUU, Hyderabad	**پروفیسر سید محمود کاظمی**، شعبہ ترجمہ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدر آباد
Dr. Mohd Akmal Khan, Asst. Professor (C), Centre for Distance and Online Education, MANUU, Hyderabad	**ڈاکٹر محمد اکمل خان**، اسسٹنٹ پروفیسر (C)، مرکز برائے فاصلاتی اور آن لائن تعلیم، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدر آباد
Prof. Fazlullah Mukarram, Department of Urdu, University of Hyderabad	**پروفیسر فضل اللہ مکرم**، شعبہ اردو یونیورسٹی آف حیدر آباد، حیدر آباد
Prof. Ahmad Khan, CUCS, MANUU, Hyderabad	**پروفیسر احمد خان**، سی یو سی ایس مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدر آباد
Prof. Abu Shaheem Khan, Dept of Tranalstion, MANUU, Hyderabad	**پروفیسر ابو شہیم خان**، شعبہ ترجمہ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدر آباد
Prof. BiBi Raza Khatoon, Dept of Urdu, MANUU, Hyderabad	**پروفیسر بی بی رضا خاتون**، شعبہ اردو مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدر آباد

ٹائٹل پیج (Title Page):

ابراہیم اکرم صدیقی

پیغام

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی (MANUU) 1998 میں پارلیمنٹ کے ایک ایکٹ کے ذریعے قائم کی گئی۔ یہ ایک مرکزی جامعہ ہے جس نے این اے اے سی کی جانب سے گریڈ A+ حاصل کیا ہے۔ اس جامعہ کے قیام کے مقاصد میں اردو زبان کا فروغ، پیشہ ورانہ اور تکنیکی تعلیم کو اردو میڈیم میں قابل رسائی اور دستیاب بنانا، روایتی اور فاصلاتی طریقۂ تعلیم کے ذریعے تعلیم فراہم کرنا، خواتین کی تعلیم پر خصوصی توجہ دینا وغیرہ اہم ہیں۔ یہ وہ نکات ہیں جو اس مرکزی جامعہ کو دیگر تمام مرکزی جامعات سے ممتاز کرتے ہیں اور اسے ایک انفرادیت بخشتے ہیں۔ قومی تعلیمی پالیسی 2020 میں بھی مادری زبانوں اور علاقائی زبانوں میں تعلیم حاصل کرنے پر زور دیا گیا ہے۔

اردو کے ذریعے علم کے فروغ کا مقصد یہی ہے کہ اردو جاننے والے طبقے کے لیے عصری علوم اور مضامین تک رسائی آسان بنائی جائے۔ ایک طویل عرصے تک اردو میں درسی مواد کی کمی رہی ہے۔ اردو یونیورسٹی کے پاس اب اردو میں 500 سے زیادہ کتابوں کا ذخیرہ موجود ہے اور ہر سمسٹر کے ساتھ اس تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔

اردو یونیورسٹی این ای پی 2020 کے وژن کے مطابق مادری / گھریلو زبان میں تعلیمی مواد فراہم کرنے کے قومی مشن کا حصہ بننے کو اپنے لیے ایک اعزاز سمجھتی ہے۔ مزید یہ کہ اردو بولنے والا طبقہ اردو میں مطالعہ کے مواد کی عدم دستیابی کے سبب نئے اُبھرتے شعبوں اور جدید تر معلومات کے موجودہ میدانوں میں تازہ ترین معلومات و اطلاعات کے حصول سے محروم نہیں رہے گا۔ مذکورہ بالا میدانوں میں مواد کی دستیابی کی بدولت حصولِ معلومات کا نیا شعور بیدار ہوا ہے جو یقیناً اردو داں طبقے کی دانشورانہ ترقی پر اثر انداز ہو گا۔

فاصلاتی اور آن لائن طلبہ کے لیے تعلیم و تدریس کے عمل کو سہل بنانے کے لیے یونیورسٹی کا سینٹر فار ڈسٹنس اینڈ آن لائن ایجوکیشن (CDOE) اردو اور متعلقہ مضامین میں خود اکتسابی مواد (SLM) کی تیاری کو یقینی بناتا ہے۔

MANUU فاصلاتی اور آن لائن لرننگ کے طلبہ کے لیے SLM بلا معاوضہ فراہم کرتا ہے۔ یہ مواد اُردو کے ذریعے علم حاصل کرنے میں دلچسپی رکھنے والے ہر شخص کے لیے برائے نام قیمت پر دستیاب ہے۔ تعلیم تک رسائی کے دائرے کو مزید پھیلانے کے مقصد سے، اردو / ہندی / انگریزی / عربی میں eSLM یونیورسٹی کی ویب سائٹ پر مفت ڈاؤن لوڈ کے لیے دستیاب رکھا گیا ہے۔

مجھے بے حد خوشی ہے کہ متعلقہ فیکلٹی کی محنت اور مصنفین کے مکمل تعاون کی بدولت FYUG بی۔اے، بی۔ایس سی اور بی۔کام کی کتابوں کی اشاعت کا عمل بڑے پیمانے پر شروع ہو گیا ہے۔ فاصلاتی اور آن لائن لرننگ کے طلبہ کی سہولت کے لیے خود اکتسابی مواد (SLM) کی تیاری اور اشاعت کا عمل یونیورسٹی کے لیے اہمیت رکھتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ہم اپنے خود تعلیمی مواد کے ذریعے اردو جاننے والے ایک بڑے طبقے کی ضروریات کو پورا کرنے کے قابل ہوں گے اور اس یونیورسٹی کے مقصدِ قیام کو پورا کریں گے اور اپنے ملک میں اپنی موجودگی کو جائز ٹھہرا سکیں گے۔

نیک تمناؤں کے ساتھ!

پروفیسر سید عین الحسن
شیخ الجامعہ، مانو

پیغام

موجودہ دور میں فاصلاتی تعلیم کو دنیا بھر میں ایک نہایت مؤثر اور مفید طریقۂ تعلیم کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے اور بڑی تعداد میں لوگ اس طریقۂ تعلیم سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی نے بھی اردو زبان بولنے والے عوام کی تعلیمی ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنے قیام کے وقت سے ہی فاصلاتی تعلیم کا طریقہ متعارف کرایا۔ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی نے 1998 میں ڈائریکٹوریٹ آف ڈسٹنس ایجوکیشن (نظامتِ فاصلاتی تعلیم) کے ساتھ کام کا آغاز کیا اور 2004 سے باقاعدہ پروگرام شروع ہوئے، اس کے بعد مختلف شعبہ جات قائم کیے گئے۔

یو جی سی نے ملک میں نظام تعلیم کو مؤثر طور پر منظم کرنے میں ایک اہم کردار ادا کیا ہے۔ اوپن اینڈ ڈسٹنس لرننگ (ODL) موڈ کے تحت چلنے والے مختلف پروگرام، جو سینٹر فار ڈسٹنس اینڈ آن لائن ایجوکیشن (CDOE) میں چل رہے ہیں، یو جی سی-ڈی ای بی کے منظور شدہ ہیں۔ یو جی سی-ڈی ای بی نے فاصلاتی اور باقاعدہ تعلیم کے نصاب کو ہم آہنگ کرنے پر زور دیا ہے تاکہ فاصلاتی تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کے معیار کو بہتر بنایا جاسکے۔ چونکہ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی ایک دُہرے طرز (ڈوئل موڈ) کی یونیورسٹی ہے جو فاصلاتی اور روایتی دونوں طریقۂ تعلیم کی خدمات فراہم کرتی ہے، اس لیے اپنے مقاصد کو یو جی سی-ڈی ای بی کے رہنما خطوط کے مطابق حاصل کرنے کے لیے اس نے چوائس بیسڈ کریڈٹ سسٹم (CBCS) متعارف کرایا گیا جس کا خود اکتسابی مواد (Self-Learning Materials) یو جی سی کے قوانین اور کریڈٹ فریم کے مطابق نئے سرے سے تیار کیے جاچکا ہے۔

سنٹر فار ڈسٹنس اینڈ آن لائن ایجوکیشن (CDOE) کل بیس (20) پروگرام پیش کرتا ہے جن میں یو جی، پی جی، بی ایڈ، ڈپلومہ اور سرٹیفکیٹ پروگرام شامل ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ تکنیکی مہارتوں پر مبنی پروگرام بھی شروع کیے جارہے ہیں۔ سی ڈی او ای نے جولائی 2025 سے این ای پی-2020 کے مطابق چار سالہ یو جی پروگرام کا آغاز کیا ہے۔ بی اے، بی ایس سی اور بی کام کے آنرز پروگراموں کو این سی ایف کے مطابق ڈیزائن کیا گیا ہے جس سے طلبہ کو آنرز ڈگری حاصل کرنے میں مدد ملے گی۔ سال 2025-2026 سے ایم بی اے پروگرام او ڈی ایل موڈ میں متعارف کرایا گیا ہے۔

مانو نے طلبہ کی سہولت کے لیے نو ریجنل سنٹرز (بنگلورو، بھوپال، دربھنگہ، دہلی، کولکاتا، ممبئی، پٹنہ، رانچی اور سری نگر) اور چھ سب ریجنل سنٹرز (حیدرآباد، لکھنؤ، جموں، نوح، وارانسی اور امراوتی) کا ایک وسیع نیٹ ورک قائم کیا ہے۔ اس کے علاوہ وجے واڑا میں ایک ایکسٹینشن سنٹر بھی قائم کیا گیا ہے۔ ان ریجنل اور سب ریجنل سنٹروں کے تحت ایک سو پچاس سے زیادہ لرنر سپورٹ سنٹر (LSCs) اور بیس پروگرام سنٹر بیک وقت چلائے جارہے ہیں تاکہ طلبہ کو تعلیمی اور انتظامی سہولیات فراہم کی جاسکیں۔ سنٹر فار ڈسٹنس اینڈ آن لائن ایجوکیشن اپنی تعلیمی اور انتظامی سرگرمیوں میں آئی سی ٹی کا بھرپور استعمال کرتا ہے اور اپنے تمام پروگراموں میں صرف آن لائن موڈ کے ذریعے ہی داخلے فراہم کرتا ہے۔

طلبہ کے لیے سیلف لرننگ میٹیریل (SLM) کی سوفٹ کاپی سنٹر فار ڈسٹنس اینڈ آن لائن ایجوکیشن کی ویب سائٹ پر دستیاب کرائی جاتی ہیں اور آڈیو و ویڈیو ریکارڈنگ کے لنک بھی ویب سائٹ پر فراہم کیے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ طلبہ کو ای۔ میل اور واٹس ایپ گروپ کی سہولت بھی فراہم کی جارہی ہے جن کے ذریعے انہیں پروگرام کے مختلف پہلوؤں جیسے کورس رجسٹریشن، اسائنمنٹ، کاؤنسلنگ، امتحانات وغیرہ کے بارے میں مطلع کیا جاتا ہے۔ باقاعدہ کاؤنسلنگ کے علاوہ گزشتہ دو برسوں سے طلبہ کے تعلیمی معیار کو بہتر بنانے کے لیے زائد تدارکی (Remedial) آن لائن کاؤنسلنگ بھی فراہم کی جارہی ہے۔

امید کی جاتی ہے کہ سنٹر فار ڈسٹنس اینڈ آن لائن ایجوکیشن تعلیمی اور معاشی طور پر پسماندہ آبادی کو عصری تعلیم کے دھارے میں شامل کرنے میں ایک اہم کردار ادا کرے گا۔ تعلیمی ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے نئی تعلیمی پالیسی (NEP-2020) کے مطابق مختلف پروگرامز میں تبدیلیاں کی گئی ہیں اور توقع ہے کہ اس سے اوپن اینڈ ڈسٹنس لرننگ کے نظام کو مزید مؤثر اور کارآمد بنانے میں مدد ملے گی۔

پروفیسر محمد رضا اللہ خان

ڈائرکٹر، سی ڈی او ای، مانو

کورس کا تعارف

مرکز برائے فاصلاتی و آن لائن تعلیم (نظامت فاصلاتی تعلیم)، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی نے طلبا کی تعلیمی ضرورت کے پیش نظر اردو زبان و ادب کی تاریخ کے موضوع پر درسی مواد تیار کیا ہے۔ یہ مواد چار سالہ بی۔ اے۔ پروگرام کے پہلے سمسٹر کے لیے تیار کیا گیا ہے۔ یونیورسٹی گرانٹس کمیشن (یو جی سی) کی ہدایت کے تحت یونیورسٹی کے روایتی اور فاصلاتی تعلیم کے لیے ایک ہی نصاب لازمی قرار دیا گیا ہے تاکہ نہ صرف ان دونوں نظام تعلیم کے طلبا کا معیار یکساں ہو بلکہ حصول تعلیم کے لیے فراہم کی جانے والی مختلف سہولیات کے اس دور میں طلبا کے لیے دوران تعلیم ایک نظام تعلیم سے دوسرے نظام تعلیم کی طرف منتقلی بھی قابل عمل ہو۔

یو جی سی کی اسی ہدایت کے تحت مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی میں فراہم کیے جارہے تمام مضامین میں روایتی اور فاصلاتی نظام تعلیم کا ایک ہی نصاب تیار کیا گیا ہے۔ یکساں نصاب کی تیاری کے بعد اسی کے مطابق درسی مواد کی تیاری بھی مطلوب تھی۔ موجودہ تعلیمی ضرورت کے پیش نظر این ای پی 2020 (NEP-2020) کے تحت اردو طلبا کے لیے خود اکتسابی مواد تیار کیا جارہا ہے۔ یہ مواد چار سالہ (آٹھ سمسٹر) کورس کے لیے تیار کیا جا رہا ہے، جس کی تیاری میں ملک بھر کے مختلف جامعات اور تعلیمی اداروں کے ماہر اساتذہ اپنا تعاون کر رہے ہیں۔ ان کتابوں کے ذریعے نہ صرف اردو طلبا کی ضرورت کی تکمیل ہو گی بلکہ اردو داں طبقے کے لیے بھی یہ مواد قدر مفید ثابت ہو گا۔

نئے نصاب کی تیاری میں مرکز برائے فاصلاتی و آن لائن تعلیم کی موجودہ کتب میں دستیاب مطلوبہ مواد کو ضروری حذف و اضافہ کے ساتھ اس کتاب میں شامل کیا گیا ہے اور نئے نصاب کے تقاضوں کے پیش نظر نئی اکائیاں بھی لکھوائی گئی ہیں جو کورس کے خود اکتسابی مواد کا حصہ بنی ہیں۔

اس کتاب میں مضامین کی ایسی ترتیب اختیار کی گئی ہے جو یکساں نصاب کے تحت روایتی اور فاصلاتی تعلیم دونوں کی ضرورتوں کو بیک وقت پورا کر سکے۔ ہر اکائی کے تحت موضوع سے متعلق مواد کے علاوہ' اکتسابی نتائج، کلیدی الفاظ، نمونۂ امتحانی سوالات اور تجویز کردہ اکتسابی مواد کی فہرست بھی دی گئی ہیں۔ امید ہے یہ معلومات طلبا کے لیے بے حد معاون ہوں گی۔

ہمیں خوشی ہے کہ ہم چار سالہ بی۔ اے۔ کورس کی یہ کتاب آپ کے لیے پیش کر رہے ہیں۔ چوتھے سمسٹر کے اس پرچے کا عنوان 'بنیادی اردو۔2' ہے۔ اس پرچے میں کل آٹھ اکائیاں ہیں۔ یہ پرچہ اردو کے لیے ضروری اور اہم اکتسابی پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے۔ اس موضوع کے پہلے حصے کا مطالعہ آپ تیسرے سمسٹر میں بنیادی اردو-1 کے عنوان سے کر چکے ہیں۔

انہیں باتوں کے ساتھ اب یہ کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ آپ کی بیش قیمت آرا ہمیں اس کتاب کو مزید بہتر، کارآمد اور مفید بنانے میں مددگار ثابت ہوں گی۔

ڈاکٹر ارشاد احمد
کورس کوآرڈی نیٹر

بنیادی اردو۔2

Buniyadi Urdu-2

اکائی 1: جملہ اوراس کی اقسام

اکائی کے اجزا

1.0 تمہید

1.1 مقاصد

1.2 جملہ اوراس کے عناصر

1.3 بناوٹ کے اعتبار سے جملے کی قسمیں

1.4 مرکب جملے کی قسمیں

1.5 ملتف جملے کی قسمیں

1.6 معنٰی کے اعتبار سے جملے کی قسمیں

1.7 اکتسابی نتائج

1.8 کلیدی الفاظ

1.9 نمونہ امتحانی سوالات

1.10 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1.0 تمہید

اس کتاب میں ہم اردوزبان کی قواعد کا مطالعہ کریں گے۔ صحیح اردوبولنے اور صحیح اردولکھنے کے لیے اردو قواعد کا علم حاصل کرناضروری ہے۔اس سے قبل آپ نے اسم، فعل،صفت، ضمیر، حروف، جنس اور تعداد کے بارے میں واقفیت حاصل کی ہو گی۔

جب ہم کسی کی تقریر (گفتگو) یا تحریر پر غور کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے بول چال یا تحریر کا کم سے کم جُز جس سے ایک بات پورے طور پر سمجھ میں آتی ہے،وہ "جملہ " ہے جملے ہی سے ہم ایک دوسرے کے دل کی بات سمجھتے ہیں۔جملہ لفظوں سے مل کر بنتا ہے لیکن جملے سے الگ خالی لفظ کوئی خاص معنٰی نہیں رکھتا۔لفظ کا صحیح مفہوم اسی وقت معلوم ہو گا جب وہ کسی جملے میں آئے۔ورنہ ایک لفظ کئی معنٰی کا حامل ہوتا ہے۔ جملے میں آکر اس کے خاص معنٰی متعین ہوتے ہیں۔اس اکائی میں ہم جملے کے عناصر، جملے کی تعریف، بناوٹ کے اعتبار سے جملے کی قسموں پھر

ان قسموں کی ذیلی قسموں کا علم حاصل کریں گے۔ اس کے علاوہ معنٰی کے اعتبار سے جملے کی قسموں پر بھی روشنی ڈالی جائے گی۔ اس اکائی میں ہم جملہ (Sentences) اور اس کے عناصر اور جملے کے اقسام کے بارے میں معلومات حاصل کریں گے۔

1.1 مقاصد

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- جملے کے عناصر یعنی مبتدا اور خبر کی وضاحت کر سکیں۔
- بناوٹ کے لحاظ سے جملے کی قسموں۔ مفرد جملے اور مرکب جملے میں فرق کر سکیں۔
- مرکب جملے کی قسموں مطلق اور ملتف کی وضاحت کر سکیں۔
- مرکب جملوں کی مختلف ذیلی قسموں کی تعریف بیان کر سکیں۔
- ملتف جملوں کی مختلف ذیلی قسموں کی تعریف بیان کر سکیں۔
- معنٰی کے اعتبار سے جملے کی قسموں کی وضاحت کر سکیں۔

1.2 جملہ اور اس کے عناصر

جملہ الفاظ کے ایسے مسلسل مجموعے کا نام ہے جس سے بات پورے طور پر سمجھ میں آجائے، خواہ تقریر میں ہو یا تحریر میں۔ جیسے

1۔ تاج محل آگرہ میں ہے۔

2۔ دودھ مکمل غذا ہے۔

3۔ موہن شکاگو میں رہتا ہے۔

4۔ گوداوری اور کرشنا جنوبی ہند کے بڑے دریا ہیں۔

5۔ بادل گرج رہے ہیں۔

6۔ جھیل میں بطخیں تیر رہی ہیں۔

7۔ آم کو میووں کا بادشاہ کہا جاتا ہے۔

8۔ کرشن چندر اردو کے بڑے افسانہ نگار تھے۔

9۔ ماں باورچی خانے میں ہے اور بچے آنگن میں کھیل رہے ہیں۔

10۔ حامد نے تمہیں بہت پکارا لیکن تم نے سنا نہیں۔

ہر جملے میں دو اصل عنصر ہوتے ہیں: (1) مبتدا (2) خبر

(1) مبتدا: وہ شخص یا شئے ہے جس کا ذکر کیا جائے۔ انگریزی میں اسے (Subject) کہتے ہیں۔

(2)خبر: جو کچھ اس شخص یا شئے (یعنی مبتدا) کے بارے میں کہا جائے۔ انگریزی میں اسے (Predicate) کہتے ہیں۔ جیسے

چار مینار حیدر آباد میں ہے۔

اس جملے میں "چار مینار" مبتدا ہے اور "حیدر آباد میں ہے" خبر ہے۔

غالب نے اردو کے علاوہ فارسی زبان میں بھی شاعری کی۔

اس جملے میں "غالباً" مبتدا ہے اور "نے اردو اور فارسی زبان میں شاعری کی" خبر ہے۔

درج ذیل جملوں کو غور سے پڑھیے۔ ان میں "م" سے مراد مبتدا اور "خ" سے مراد "خبر" ہے۔

1۔	اسلم	باغ میں ٹہل رہا ہے،	وہ،	ہر صبح باغ کی سیر کرتا ہے۔
	م	خ	م	خ
2۔	اردو اور پنجابی،	ہندوستانی زبانیں ہیں	ہم اور تم	اردو سیکھ رہے ہیں
	م	خ	م	خ
3۔	دو	وہاں بیٹھے ہیں،	ایک یہاں ہے	
	م	خ	م	
4۔	اس کا یہاں پہنچنا	مشکل ہے۔	مگر میرا وہاں جانا	آسان ہے۔
	م	خ	م	خ

1.3 بناوٹ کے اعتبار سے جملے کی قسمیں

بناوٹ کے اعتبار سے جملے کی اقسام صورت یا بناوٹ کے لحاظ سے جملے کی دو قسمیں ہیں۔

(1) مفرد جملہ (2) مرکب جملہ

(1) مفرد جملہ: وہ جملہ جس میں صرف ایک مبتدا اور ایک خبر ہو مفرد جملہ کہلاتا ہے۔ اسے انگریزی میں Simple Sentence کہتے ہیں۔ جیسے

(1) احمد نیک لڑکا ہے۔

(2) کسان کھیت میں ہل چلا رہا ہے۔

(3) مور ناچ رہا ہے۔

(4) ڈاکیہ خط لایا۔

(5) دادی اماں کہانی سنا رہی ہیں۔

(2) مرکب جملہ: جب دو یا دو سے زیادہ مفرد جملے مل کر کسی ایک مفہوم یا خیال کو ادا کریں تو ایسے جملے کو مرکب جملہ کہتے ہیں۔ اسے انگریزی

میں Compound Sentences کہتے ہیں۔ جیسے

☆ حامد سائیکل چلا رہا تھا اور اختر پیدل چل رہا تھا۔

یہ مرکب جملہ ہے کیونکہ اس میں دو جملے ہیں۔ ایک "حامد سائیکل چلا رہا تھا" دوسرا اختر پیدل چل رہا تھا۔

☆ ہم بازار جانا چاہتے تھے لیکن اچانک بارش شروع ہو گئی۔

یہ بھی مرکب جملہ ہے کیونکہ اس میں بھی دو جملے ہیں ایک "ہم بازار جانا چاہتے تھے" دوسرا "اچانک بارش شروع ہو گئی"۔

درج ذیل جملوں کا مطالعہ کیجیے۔

1. حامد کو بخار ہے اس لیے اسے آرام کی ضرورت ہے۔
2. اگر وہ نہ گیا تو میں بھی نہ جاؤں گا۔
3. اشوک کو امرود پسند نہیں پھر بھی اس نے دو امرود کھائے۔
4. تاجر کو خوش اخلاق ہونا چاہیے ورنہ گاہک اس سے خفا ہو جائیں گے۔
5. گو کہ وہ کمزور تھا تاہم کامیاب ہو گیا۔

ان جملوں میں آپ نے دیکھا کہ ہر جملہ دو جملوں پر مشتمل ہے۔ ان جملوں کو "اس لیے" "تو" "پھر بھی" "ورنہ" اور "تاہم" جیسے الفاظ سے جوڑا گیا ہے۔ اس لیے یہ سب مرکب جملے ہیں۔

1.4 مرکب جملے کی قسمیں

مرکب جملے کی قسمیں:

مرکب جملے کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ (1) مطلق (2) ملتف

مرکب مطلق:

جب کسی مرکب جملے میں ہر مفرد جملہ جداگانہ برابر کی حیثیت رکھتا ہے اور اپنے معنوں کے لیے ایک دوسرے کا محتاج نہیں ہوتا تو ایسا مرکب جملہ مطلق کہلاتا ہے۔ جیسے:

1۔ مینہہ برس رہا تھا اور بجلی چمک رہی تھی۔

2۔ حامد کھیل رہا ہے اور اکبر پڑھ رہا ہے۔

3۔ دوپہر کا وقت ہے اور سورج سر پر دہک رہا ہے۔

4۔ منزل ابھی دور تھی اور ہم بہت پیاسے تھے۔

5۔ استاد کمرہ جماعت میں داخل ہوئے اور لڑکوں نے شور مچانا بند کیا۔

اوپر کی مثالوں میں سارے جملے مرکب ہیں اور ہر جملہ مطلق ہے۔ آپ نے دیکھا کہ ہر جملے میں دو مفرد جملے ہیں جن کے بیچ میں

حروف عطف اورآیاہے جوان دونوں کوملاتاہے لیکن دونوں مفرد جملے برابر کی حیثیت کے ہیں۔ان کو معنیٰ دینے کے لیے دوسرے جملے کی ضرورت نہیں۔یعنی الگ الگ بھی یہ اپنے پورے معنی رکھتے ہیں۔اس لیے ان جملوں کو مرکب مطلق جملے کہتے ہیں۔

مرکب ملتف:

وہ مرکب جملہ ہے جس میں ایک جملہ تواصل ہوتاہےاورباقی جملےاس کےماتحت ہوتےہیں۔یعنی جب تک ذیلی جملے اصل جملے سے ملاکرپڑھے یابولے نہ جائیں اس وقت تک پورامفہوم یاخیال ادانہیں کرسکتے۔جیسے۔

وہ کاری گر، جسے آپ نے بلایاتھا۔حاضرہے۔

یہ مرکب جملہ ملتف ہے۔اس میں اصل جملہ ہے"وہ کاری گرحاضرہے"۔اورماتحت یاذیلی جملہ ہے جسے آپ نے بلایاتھا۔پوری بات سمجھنے کے لیے دونوں کاہوناضروری ہے۔

ملتف جملہ مطلق جملے سے بالکل مختلف ہوتاہے۔مطلق جملے میں ہرجملہ آزادہوتاہےاوراپنے پورے معنیٰ رکھتاہے۔ملتف جملے میں ایسانہیں ہوتا۔اس میں ایک جملہ خاص یااصل ہوتاہےاورباقی جملےاس کے ماتحت ہوتےہیں اورجب تک یہ اصل جملے سے ملاکرپڑھے یا بولے نہ جائیں اس وقت تک بات کاپورامفہوم ادانہیں ہوتا۔

ہم جان چکے ہیں کہ مرکب مطلق جملے میں جتنے جملے ہوتےہیں وہ سب برابر کی حیثیت کے ہوتےہیں۔اس لیے ایسے جملے ہم رتبہ جملے کہلاتےہیں۔

ہم رتبہ جملے حروف عطف کے ذریعے ملتےہیں۔جن حروف عطف سے یہ جملے ملتےہیں انھیں کے ناموں کے لحاظ سے ان جملوں کی چارقسمیں کی گئی ہیں اورانھیں حروف کے ناموں پران جملوں کے نام بھی رکھے گئےہیں۔وہ چارقسمیں یہ ہیں:

(1)وصلی (2)تردیدی (3)استدراکی (4)سببی

1۔جملہ مطلق وصلی وہ ہے جوحرف عطف وصل کے ذریعے سے دوسرے جملے سے ملتاہے،اوراس حرف کاکام صرف یہ ہے کہ جملوں کویکجا جمع کردے۔جیسے:

- راشدکل آیاتھااورآج چلاگیا۔
- سورج صبح کونکلتااورشام کوغروب ہوجاتاہے۔

اوپرکے تمام جملے مرکب جملے ہیں جودو،دومفرد جملوں سے بنےہیں اوریہ مفرد جملے حروف عطف"اور"کے ذریعے باہم ملے ہیں۔ان میں ہرمفرد جملہ ہم رتبہ ہےاورپوراجملہ مرکب جملہ مطلق ہے۔

2۔جملہ مطلق تردیدی: یہ وصلی جملے کی ضدہے۔تردیدی جملے میں حرف عطف اگرچہ دومفرد جملوں کوملاتاہے لیکن معناً جداکرتاہے۔

تردیدی جملوں میں ہمیشہ دوباتیں ہوتی ہیں جن میں سے ایک کی تردید ہوتی ہے یعنی دومیں سے کسی ایک کاہونایااختیارکرناپایاجاتا ہے۔جیساکہ ذیل کی مثالوں سے معلوم ہوگا۔تردیدی جملے میں دومفرد جملوں کوملانے کے لیے حروف عطف تردید آتےہیں۔جیسے۔

(1)کہ ("یا" کے معنیٰ میں)

تم نے کچھ کھایا کہ نہیں۔

احمد نے سبق یاد کیا کہ نہیں۔

آپ نے نماز پڑھی کہ نہیں۔

(2)ورنہ ("نہیں تو" کے معنٰی میں)

- حاکم کو انصاف پسند ہونا چاہیے ورنہ رعایا بد دل ہو جائے گی۔
- وقت پر فیس جمع کر دو ورنہ جرمانہ بھرنا پڑے گا۔
- احمد کا تحفہ قبول کر لو نہیں تو وہ ناراض ہو جائے گا۔
- یہاں سے فوراً چل نکلو نہیں تو مشکل پڑ جائے گی۔

(3)خواہ۔۔۔۔۔۔۔۔خواہ

خواہ احمد کو بلاو خواہ محمود،

خواہ یہاں رہو خواہ وہاں

(4)چاہے۔۔۔۔۔۔۔چاہے۔

- چاہے تجارت کرو چاہے ملازمت
- چاہے سیب لو چاہے انگور

(5)نہ۔۔۔۔۔۔نہ

- نہ خود پڑھا نہ مجھے پڑھنے دیا
- نہ خود گیا نہ مجھے جانے دیا۔

(نوٹ): اس طرح کے جملوں میں عموماً پہلا "نہ" حذف کر دیتے ہیں جیسے خود کھایا نہ مجھے کھانے دیا۔ اختر تھا نہ واجد۔ وہاں گیا نہ یہاں آیا وغیرہ)

خواہ / چاہے / نہ۔ یہ تینوں جوڑا۔ جوڑا آتے ہیں۔ ایک بار پہلے جملے میں اور دوسری بار دوسرے جملے۔ جیسا کہ اوپر کی مثالوں سے ظاہر ہے۔

(3)جملہ مطلق استدراکی:

استدراکی جملوں میں دو بیانات کا باہم مقابلہ ہوتا ہے۔ یہ مقابلہ تین قسم کا ہوتا ہے۔

1۔ دوسرا بیان پہلے بیان کے مخالف یا اس سے خارج یا مستثنٰی ہو۔ جیسے:

- سب لڑکے چلنے کے لیے آمادہ ہو گئے مگر طاہر نے انکار کر دیا۔
- رشید کی کامیابی پر سب خوش تھے مگر جاوید دکھی تھا۔

2۔ دوسرا بیان پہلے بیان کو محدود کر دیتا ہے۔ جیسے:

- وہ وعدے تو بہت کرتا ہے لیکن پورا ایک نہیں کرتا۔
- وہ ساتھی تو ہے پر مصیبت کا ساتھی نہیں۔
- وہ طاقتور تو ہے لیکن بہادر نہیں ہے۔

3۔ دوسرے بیان سے پہلے بیان کی توسیع اور ترقی ہوتی ہے۔ جیسے

- خوشامد سے دنیا ہی نہیں بلکہ خدا بھی خوش ہوتا ہے۔
- اس نے بے وفائی ہی نہیں بلکہ طرح طرح کی تکلیفیں بھی پہنچائیں۔

اوپر کی مثالوں سے مگر، لیکن (پر) اور بلکہ کے استعمال میں جو فرق ہے وہ ظاہر ہے۔ اسے اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔ کیونکہ ان کے استعمال میں اکثر غلطی ہو جاتی ہے۔

نوٹ: 1) بعض اوقات "اور" جملوں میں: مگر" کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے۔ جیسے اتنا پڑھا لکھا اور بے روزگار۔ اس قدر دولت مند اور اتنا کنجوس۔

2) بعض اوقات "مگر" اور "لیکن" جملوں میں "اگرچہ" اور "گو" کے جواب میں آتے ہیں۔ جیسے اگرچہ علاء الدین خلجی ان پڑھ تھا مگر انتظام حکومت سے خوب واقف تھا۔ گو راجہ پورس نے بہت زور لگایا لیکن سکندر کو ہرا نہ سکا۔

(4) جملہ مطلق سببی: مرکز سببی جملہ وہ ہے کہ جس کے ایک جزو میں دوسرے جُز کے سبب، وجہ یا نتیجہ کا ذکر ہو۔

- جو جملہ کہ سبب یا علّت کو ظاہر کرتا ہو وہ عموماً کیونکہ "اس لیے" یا "اس واسطے سے کہ" سے شروع ہوتا ہے:

- میں ان کا ساتھ دوں گا کیونکہ (یا اس لیے کہ یا اس واسطہ سے کہ (مصیبت کے وقت انھوں نے میرا ساتھ دیا۔
- اس کو پہلے جانے دو اس لیے کہ وہ نابینا ہے۔

- جو جملہ نتیجہ یا معلوم کو ظاہر کرتا ہے اس کے شروع میں "اس لیے" یا "لہٰذا" آتا ہے۔

جیسے: اس نے میری بات نہ مانی اس لیے میں نے اس کی مدد نہ کی۔

ایسے مرکب جملے میں جُز اول کے ساتھ عموماً "کیونکہ" استعمال ہوتا ہے۔ جیسے:

کیونکہ وہ بہت بیمار ہے اس لیے جلسے میں نہ آسکا۔

ملتف جملہ:

ملتف جملے میں ایک جملہ تو اصل ہوتا ہے باقی ایک یا دو جملے اصل جملے کے تابع ہوتے ہیں۔ جو تابع جملے کہلاتے ہیں۔ تابع جملے کی تین قسمیں ہوتی ہیں۔

(1) اسمی (2) وصفی (3) تمیزی

1۔ ملتف جملہ اسمی: اسمی جملہ وہ ہے جس کا تعلق خبر سے ہو۔ یہ جملے کے فعل کا مفعول ہوتا ہے۔ اسمی جملہ بجائے خود ایک اسم کا کام انجام دیتا

ہے اور پورے جملے کی ترکیب بجاے ایک اسم کے ہوتی ہے جیسے: میں نے کہا جاؤ۔

اس مثال میں اب جاؤ بجائے ایک اسم کے استعمال ہوا ہے۔

میں نے کیا کہا؟ جواب ہے "اب جاؤ" یہ جملہ تابع اسمی ہے اور بطور ایک اسم کے آیا ہے اور فعل "کہا" کا مفعول ہے۔

اسمی جملے کی ابتدا حرف عطف "کہ" سے ہوتی ہے۔ جیسے

(1) اس نے کہا کہ میں نہیں کھیلوں گا۔ (2) کون نہیں جانتا کہ قطب مینار دہلی میں ہے۔

(3) وہاں وہ شور شرابا تھا کہ کچھ کہنا سننا مشکل تھا۔

کبھی کبھی اسمی جملوں کے قبل حرف "کہ" محذوف بھی ہوتا ہے۔ جیسے

- میں نے کہا جاؤ اب نہ آنا۔ اس نے کہا یہاں کیوں آئے ہو۔ میں جانتا تھا وہ نہیں آئے گا۔
- کبھی تابع جملہ اصل جملے سے قبل بھی آجاتا ہے۔ جیسے۔

"چلو دہلی! چلو دہلی" ہر طرف سے یہی صدا آرہی ہے۔

"پکڑو! پکڑو، چور! چور۔ وہ چلا چلا کر کہہ رہا تھا۔

یہ عموماً ایسے موقع پر آتا ہے جہاں خاص طور پر تاکید مقصود ہوتی ہے۔ یا کسی بات کو نمایاں طور پر ظاہر کرنا ہوتا ہے۔ فجائیہ فقروں میں بھی ایسا واقع ہوتا ہے۔

وصفی جملہ: یہ وہ جملہ ہے جو "صفت" کا کام کرتا ہے۔ جیسے

وہ کام جو آپ سے نہ ہو سکا میں کیوں کر کر سکتا ہوں۔

یہ ملتف جملہ ہے۔ اس میں "وہ کام میں کیوں کر کر سکتا ہوں" اصل جملہ ہے۔ اور "جو آپ سے نہ ہو سکا" جملہ تابع وصفی ہے جو کام سے متعلق ہے اور اس کی کیفیت بیان کرتا ہے۔

اس نے انھیں طالب علموں کے نام پکارے جو کتاب میں درج تھے۔

اوپر کی مثال میں "اس نے انھیں طالب علموں کے نام پکارے" اصل جملہ ہے۔ اور "جو کتاب میں درج تھے"۔ جملہ تابع وصفی ہے جو بطور صفت آیا ہے۔ اور نام کی توصیف کرتا ہے۔

- وصفی جملے کے ساتھ عموماً ضمیر موصولہ آتی ہے جیسا کہ اوپر کی مثالوں سے واضح ہے۔
- بعض اوقات بول چال کے فقروں اور نظم میں ضمیر موصولہ حذف ہو جاتی ہے۔ جیسے:

تم کرو گے سو اچھا ہی کرو گے (یعنی جو تم کرو گے)

ڈرا سو مرا (یعنی جو ڈر گیا وہ مر گیا)

تمیزی جملہ: وہ تابع جملہ ہے جو متعلق یا تمیز کا کام دے۔ یہ تابع جملہ بہ لحاظ وقت، طور، علت یا شرط کے اصل جملے سے متعلق ہوتا ہے۔

تمیزی جملہ زبانی: ایسا جملہ جو وقت (زماں) ظاہر کرتا ہے وہ "تمیزی جملہ زمانی" کہلاتا ہے۔ ایسے جملے ان حروف یا الفاظ سے شروع

ہوتے ہیں جو وقت یا زماں کے لیے آتے ہیں: جیسے

جو، جب، جب سے، جب تک، جس وقت، جس دم وغیرہ۔

جس وقت اکبر آیا جمیل سو رہا تھا۔

اس مثال میں جمیل سو رہا تھا اصل جملہ ہے اور جس وقت اکبر آیا تمیزی جملہ زمانی ہے۔

جس دم اس نے یہ سنا فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔

اس مثال میں "فوراً اٹھ کھڑا ہوا" اصل جملہ ہے اور جس دم اس نے سنا جملہ تمیزی زمانی۔

تمیزی جملہ مکانی: اسی طرح بعض تمیزی جملے مقام ظاہر کرتے ہیں۔ یہ تمیزی جملہ مکان کہلاتے ہیں: جیسے

جہاں وہ جاتا ہے، وہیں تم جاتے ہو۔

جدھر دیکھتا ہوں ادھر تو ہی تو ہے۔

پہلی مثال میں "وہیں تم جاتے ہو" اصل جملہ ہے اور "جہاں وہ جاتا ہے" تمیزی جملہ مکانی ہے۔

دوسری مثال میں "اُدھر تو ہی ہے" اصل جملہ ہے اور "جدھر دیکھتا ہوں" تابع جملہ تمیزی مکانی ہے۔

تابع جملہ تمیزی مکانی کے ساتھ "جہاں" یا "جدھر" آتا ہے۔ یہ دونوں لفظ تمیزی ہیں اور مقام کو بتاتے ہیں اور ان کے جواب میں اصل جملے کے ساتھ "وہاں" یا "ادھر" آتا ہے۔

جیسے: "جہاں تم ہو وہاں میں بھی ہوں"

جدھر وہ جاتا ہے ادھر میں بھی جاتا ہوں"

- لیکن بعض دفعہ جوابی "وہاں" یا "ادھر" محذوف بھی ہوتے ہیں جیسے

جہاں سینگ سمائیں چلے جاؤ۔ (یعنی جہاں سینگ سمائیں وہاں چلے جاؤ)

جدھر جاؤ وہ موجود ہے (یعنی اُدھر وہ موجود ہے)۔

جملہ تمیزی طوری: وہ ہے جو طور و طریقہ ظاہر کرتا ہے۔ یہ بھی تابع جملہ ہوتا ہے اور بجائے تمیز یا متعلق فعل کے آتا ہے: جیسے

جوں ہی وہ دروازے سے نکلا میں پہنچا۔

اس مثال میں "میں پہنچا" اصل جملہ ہے اور "جوں ہی وہ دروازے سے نکلا" تابع ہے اور جملہ تمیزی طوری ہے۔ کیونکہ اس کے جانے کا ڈھنگ معلوم ہوتا ہے۔ دوسری مثالیں یہ ہیں:

جیسا کہو میں کرنے کو تیار ہوں

جیسے بنے انھیں ساتھ لے آؤ

جیسے آپ مجھ پر مہربانی فرماتے ہیں

ویسے اس پر بھی نظر کرم رکھیے

ان مثالوں میں "جیسا کہو" اور "جیسے بنے" دونوں تمیزی طوری جملے ہیں کیوں کہ ان سے کام کاڈھنگ یاطور طریقہ معلوم ہوتا ہے اور یہ اصل جملوں کے تابع ہیں۔

بعض اوقات اس قسم کے تمیزی جملوں کے ساتھ جوں جوں اور جیسے جیسے کے لفظ بھی آتے ہیں۔ جیسے مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔

جیسے جیسے وہ خط پڑھتا جاتا تھا اس کا رنگ متغیر ہوتا جاتا تھا

جملہ تمیزی سببی: یعنی وہ جملہ جو بطور تمیز کے واقع ہوا ہو اور سبب یا علت ظاہر کرے۔ ایسے جملوں کے شروع میں "اس لیے کہ" یا "کیونکہ" آتا ہے۔ جیسے

وہ بہت خوش ہے کیونکہ اسے نوکری مل گئی ہے

وہ کھیل نہیں سکتا اس لیے کہ وہ بیمار ہے

ان مثالوں میں "وہ بہت خوش ہے"۔ "وہ کھیل نہیں سکتا" اصل جملے ہیں اور "کیونکہ اسے نوکری ملی" اور "اس لیے کہ وہ بیمار ہے"۔ سبب ظاہر کرتے ہیں اس لیے تابع جملہ تمیزی سببی ہیں۔

جملہ تمیزی شرطی: وہ جملہ ہے جس میں شرط پائی جاتی ہے اور وہ بطور تمیز کے استعمال ہوا ہو۔ شرط میں لازم ہے کہ ایک جملہ دوسرے کا تابع ہو جیسے

اگر حامد نہ آیا تو ارشد نہیں جائے گا۔

اس مثال میں ارشد نہیں جائے گا اصل جملہ ہے اور "اگر حامد نہ آیا تو" بطور تابع تمیزی جملے کے آیا ہے جس میں شرط پائی جاتی ہے اس لیے اسے تمیزی جملہ شرطیہ کہتے ہیں۔

تمیزی جملہ شرطیہ کے شروع میں جو جب یا اگر آتا ہے اور اس کے جواب میں اصل جملے کے شروع میں تو آتا ہے۔ ایسے جملوں میں جو، جب اور اگر حروف شرط کہلاتے ہیں اور تو حروف جزا۔ مثالیں

اگر وہ نہ آیا تو تم کیا کرو گے

جب کھیت ہی نہیں رہا تو بیل لے کر کیا کروں۔

بعض اوقات (خصوصاً نظم میں) حرف جزا تو محذوف بھی ہو جاتا ہے۔ جیسے

تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا

(یعنی جو نہ بادہ خوار ہوتا تو تجھے ولی سمجھتے)

بعض اوقات حرف شرط بھی محذوف ہو جاتا ہے۔ جیسے

وہ نہیں آتا تو تمہیں چلے چلو

(یعنی اگر وہ نہیں آتا تو تمہیں چلے چلو)

جملے کی معنوی تقسیم: معنوں کے لحاظ سے بھی جملے کی دو قسمیں ہیں۔

(1)خبریہ (2)انشائیہ

جملہ خبریہ: جملہ خبریہ وہ جملہ ہے جو کسی واقعے یا حالت کی خبر دے۔

مثالیں:

1. موہن بیمار ہے وہ لندن نہیں جائے گا۔
2. جمیلہ سیب کھا رہی ہے۔
3. ہم چھٹیوں میں شملہ جا رہے ہیں۔
4. میں آج کل شاعری کی مشق کر رہا ہوں۔
5. وہ شخص جس سے تم ملنا چاہتے تھے کل میرے پاس آیا تھا۔

جملہ انشائیہ: جملہ انشائیہ وہ جملہ ہے جس میں تمنا، استفہام، حکم، شک، مسرت، افسوس، ندا، تعجب اور شرط کے معنیٰ پائے جائیں۔ جیسے

تمنا: کاش ہماری ٹیم جیت جاتی۔

کاش کہ مینہ برستا اور فصلیں لہلہاتیں۔

کاش اختر کو ویزا مل جاتا۔

استفہام: تم کون ہو؟ کیا کام کرتے ہو؟

وہ کیوں چلا رہا ہے؟

میری کتاب کہاں ہے؟

ارشد کب آ رہا ہے؟

تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو

حکم: دھوپ میں باہر مت نکلو۔

احمد کو بلاؤ

مہربانی کر کے میری پوری بات سن لیجئے۔

دادا کو دوا پلا دو

تم کل یہاں نہ آنا

شک: وہ آتا ہو گا

شاید وہ کل چلا جائے۔

ممکن ہے آج بارش ہو۔

وہ ہماری گفتگو سن رہا ہو گا۔

غالباً اس کا نام راہل ہے۔

مسرت: شاباش! یہ کام بہت اچھا کیا۔

اہاہا! آپ مل گئے۔

سبحان اللہ! کیا شعر سنایا ہے۔ آفریں! کیا آواز پائی ہے۔

افّاہ! آپ بھی اس دفتر میں کام کرتے ہیں۔

افسوس: ہیہات! اس وبا میں کتنی جانیں گئیں۔

حیف! پلک جھپکتے میں شہر اجڑ گیا۔

یوں اُٹھے آہ! اس گلی سے ہم۔

وائے! ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا۔

افسوس! تم نے بھی ساتھ چھوڑ دیا

ندا: اے میاں! تم کدھر جا رہے ہو۔

اجی حضرت! یہاں آیئے۔

یا خدا! مشکل آسان کر۔

او لڑکے! ذرا ادھر تو آنا۔

ارے بیوقوف! بات تو سُن۔

تعجب: ایں! وہ چلا گیا۔

افوہ! کیا آپ بھی یہی کتاب لیں گے۔

ہا ہیں میرا قلم کہاں گیا۔ ابھی تو یہیں۔

سبحان اللہ! یہ بھی کوئی بات ہوئی کہ آپ کام کریں اور میں بیٹھا رہوں۔

باپ رے باپ! کتنی اونچی عمارت ہے۔

شرط: اگرچہ تم دہلی چلو گے تو میں بھی چلوں گا۔

اگرچہ وہ بیمار ہے لیکن تم سے ضرور ملے گا۔

ہر چند اسے سمجھایا مگر وہ راضی نہ ہوا۔

تاوقتیکہ تم لوٹانے کا وعدہ نہ کرو میں یہ کتاب تمہیں نہ دوں گا۔

باوجود یہ کہ وہ دولت مند نہیں ہے پھر بھی وہ سب کی مدد کرتا ہے۔

1.7 اکتسابی نتائج

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ نے درج ذیل باتیں سیکھیں:

- جملہ الفاظ کے ایسے مجموعے کو کہتے ہیں جس سے کوئی بات پوری طرح سمجھ میں آئے۔
- ہر جملے میں دو اصل عناصر ہوتے ہیں۔ (1)مبتدا (2)خبر
- "مبتدا" وہ شخص یا شئے جس کا ذکر کیا جائے اور جو کچھ اس کے بارے میں بیان کیا جائے وہ "خبر" ہے۔
- بناوٹ کے لحاظ سے جملے کی دو قسمیں ہیں۔ (1)مفرد (2)مرکب
- اگر جملے میں صرف ایک مبتدا اور ایک خبر ہو تو وہ مفرد جملہ ہے۔ دو یا دو سے زائد مفرد جملے مل کر کوئی مفہوم ادا کر رہے ہوں تو ایسا جملہ مرکب کہلاتا ہے۔
- مرکب جملے کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ (1)مطلق (2)ملتف
- اگر مرکب جملے میں ہر جملہ جداگانہ حیثیت رکھتا ہے اور اپنے معنوں کے لیے دوسرے جملوں کا محتاج نہیں تو وہ مرکب مطلق ہے۔ اگر مرکب جملے میں ایک جملہ اصل ہے اور باقی جملے ماتحت ہیں اور اصل جملے کے بغیر پورا مفہوم ادا نہ کر رہے ہیں تو وہ ملتف جملہ ہے۔
- مرکب مطلق جملے کی چار قسمیں ہوتی ہیں۔ (1)وصلی (2)تردیدی (3)استدراکی (4)سببی
- ملتف جملے کی تین قسمیں ہوتی ہیں (1)اسمی (2)وصفی (3)تمیزی
- ملتف جملہ تمیزی کی پانچ قسمیں ہیں (1)زمانی (2)مکانی (3)طوری (4)سببی (5)شرطی
- معنٰی کے اعتبار سے جملے کی دو قسمیں ہیں (1)جملہ خبریہ (2)جملہ انشائیہ
- جملہ خبریہ وہ ہے جو کسی واقعہ یا حالت کی خبر دے۔
- جملہ انشائیہ وہ جو کہنے والے کے دلی جذبات یا اس کے منشا کو ظاہر کرتا ہے۔
- جملہ انشائیہ میں تمنا، استفہام، امر (حکم)، شک، مسرت، افسوس، ندا، تعجب، شرط وغیرہ سے تعلق رکھنے والے تمام جملے شامل ہیں۔

1.8 کلیدی الفاظ

الفاظ	:	**معنی**	::	**الفاظ**	:	**معنی**
مفرد	:	تنہا	::	مرکب	:	کئی چیزوں سے مل کر بنا ہوا
مطلق	:	بے قید۔ آزاد	::	ملتف	:	لپٹا ہوا۔ مربوط

حذف	:	گرادینا۔ چھوڑدینا	::	مخذوف	:	حذف کیا گیا۔ گرادیا گیا
استدراک	:	سمجھ	::	وصل	:	ملاقات، ملنا
استفہام	:	پوچھنا، سوال کرنا				

1.9 نمونہ امتحانی سوالات

معروضی سوالات

1۔ بناوٹ کے اعتبار سے جملے کی بڑی قسمیں کتنی ہیں؟

(A)دو (B)تین (C)چار (D)پانچ

2۔ مطلق جملے میں ہر جملہ

(A)دوسرے جملے کا محتاج ہوتا ہے (B)اپنے پورے معنی رکھتا ہے

(C)منفی معنیٰ دیتا ہے (D)کسی کام کا حکم دیتا ہے

3۔ مطلق جملوں میں کون سا جملہ تردیدی جملے کی ضد ہوتا ہے۔

(A)استدراکی (B)سببی (C)وصلی (D)ان میں سے کوئی نہیں

4۔ "احمد نے ای۔ میل کیا کہ نہیں" اس جملے کا تعلق جملوں کے کس زمرے سے ہے۔

(A)استدراکی (B)تردیدی (C)سببی (D)وصلی

5۔ معنوی اعتبار سے جملے کی کتنی قسمیں ہیں؟

(A)دو (B)تین (C)چار (D)پانچ

مختصر جوابات کے حامل سوالات

1۔ جملے میں: خبر" سے کیا مراد ہے؟

2۔ مفرد جملے کی تعریف کیجیے۔

3۔ جملہ انشائیہ کسے کہتے ہیں۔

4۔ مرکب جملے کی تین مثالیں لکھیے۔

5۔ جملہ تمیزی طوری کس جملے کو کہتے ہیں؟ واضح کیجیے۔

طویل جوابات کے حامل سوالات

1۔ مرکب مطلق جملے کی تعریف کیجیے اور اس کی قسموں کی وضاحت کیجیے۔

2۔ ملتف جملہ تمیزی اوراس کی مختلف اقسام پر مفصل نوٹ لکھیے۔

3۔ معنٰی کے اعتبار سے جملے کی اہم قسموں کا تعارف کرائیے۔

1.10 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1۔	مولوی عبدالحق	:	قواعد اردو
2۔	مولوی عبدالحق	:	اردو صرف و نحو
3۔	مولوی غلام رسول	:	جدید اردو قواعد
4۔	مولوی محمد ابراہیم	:	ایم۔اے، جدید اردو
5۔	شفیع احمد صدیقی	:	اردو زبان و قواعد

معروضی سوالات کے جوابات

A۔1 A۔2 C۔3 B۔4 A۔5

اکائی 2 : محاورے، کہاوتیں، سابقے لاحقے، مترادف اور متضاد الفاظ

اکائی کے اجزا

2.0		تمہید
2.1		مقاصد
2.2		محاورے
	2.2.1	محاورے کی اقسام
2.3		کہاوتیں
	2.3.1	کہاوت کی اقسام
2.4		محاورے اور کہاوت میں مماثلات وافتراقات
2.5		سابقے لاحقے
2.6		مترادف اور متضاد الفاظ
	2.6.1	مترادف الفاظ
	2.6.2	متضاد الفاظ
2.7		اکتسابی نتائج
2.8		کلیدی الفاظ
2.9		نمونۂ امتحانی سوالات
2.10		تجویز کردہ اکتسابی مواد

2.0 تمہید

زبان کوئی بھی ہو، اپنی لسانی خصوصیات کے ساتھ کچھ ایسی تہذیبی جڑیں بھی رکھتی ہے جو اگر کاٹ دی جائیں تو وہ زبان ایک سرسبز درخت کی جگہ محض ایک خشک تنارہ جاتی ہے۔ بغیر محاوروں کے کوئی بھی زبان ایک لباس بے رنگ اور ایک طعام بے نمک کی حیثیت رکھتی ہے۔ محاورے، کہاوتیں، روزمرہ اور ادبی و شعری تراکیب ہی اصلاً کسی بھی زبان کی تہذیبی صورت گری کرتی ہیں۔ محاوروں کی لسانی، تہذیبی اور اسلوبی اہمیت سے شاید ہی کسی کو انکار ہو گا۔ اگر کسی زبان سے اس کے محاوروں کو الگ کر لیا جائے تو اس زبان کی روح ختم ہو جائے گی۔

کہاوتوں کے لیے کہاجاتاہے کہ ان کی حیثیت زبان میں وہی ہے جو کھانے میں نمک کی ہوتی ہے۔ کسی بھی زبان کا بولنے والا اپنی بات کو پر اثر بنانے اور اس میں لطف پیدا کرنے کے لیے کہاوتوں کا استعمال کرتا ہے۔ محاوروں اور کہاوتوں کے ساتھ ہی سابقوں ولاحقوں کا نظام زبان کو اختصار بخشتاہے۔ ''دردنہ رکھنے والا'' کی جگہ ''بے درد'' یا '' ''قدر کرنے والا'' کی جگہ ''قدردان'' کہہ کر ہم نہ صرف طول کلامی سے بچتے ہیں بلکہ اس اختصار سے کلام میں حسن بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ الفاظ کے مترادفات، متضادالفاظ ان سب سے واقفیت کسی بھی زبان کی ہئیت وماہئیت اور صحت ووسعت کو یقینی بناتی ہے۔ مترادفات اور متضادالفاظ سے واقفیت ہمیں عجزبیان کا شکار نہیں ہونے دیتی۔ یہی سبب ہے کہ ان عناصر کو زبان کی تدریس کا اہم حصہ قرار دیاجاتاہے۔

2.1 مقاصد

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- ''محاورہ'' کی مختلف صورتوں اوران کی سماجی وتہذیبی معنویت کو سمجھ سکیں۔
- ''کہاوت'' کی سماجی وتہذیبی نقطۂ نظر سے اہمیت کو سمجھ سکیں۔
- ''سابقے اور لاحقے'' کے استعمال کو سمجھ سکیں۔
- یہ سمجھ سکیں کہ ''مترادف'' اور ''متضاد'' الفاظ کیاہیں؟ یہ کس طرح زبان کو وسعت عطا کرتے اور معنی کی ترسیل میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔

2.2 محاورے

1۔ '' محاورہ (ع) اسم مذکر (i) ہم کلامی، باہمی گفتگو، بول چال، بات چیت، سوال جواب (ii) اصطلاح عام، روزمرہ، وہ کلمہ یا کلام جسے چند ثقات نے لغوی معنی کی مناسبت یا غیر مناسبت سے کسی خاص معنی کے واسطے مختص کر لیاہو۔'' (فرہنگ آصفیہ، جلد سوم، صفحہ 205)

2۔ '' محاورہ (ع) مذکر: جب ایک یا کئی لفظ مصدر مل کر حقیقی معنی سے متجاوز ہو کر کچھ اور معنی دیں تو اس کو محاورہ کہتے ہیں۔ جیسے آگ پانی میں لگانا۔ محاورہ میں مصدر کے جملہ مشتقاق استعمال ہوتے ہیں لیکن اصل محاورے میں کسی قسم کا تصرف کرنے کا اختیار نہیں۔''

(نورالغات، جلد چہارم، صفحہ 504)

3۔ ''وہ کلام جس کے لفظ اپنے معنی غیر موضوع میں استعمال ہوتے ہوں، محاورہ ہے۔۔ محاورہ کم از کم دو کلموں سے مرکب ہوتا ہے۔ محاورہ قواعد کی خلاف ورزی کبھی نہیں کرتا۔''

(کیفیہ: پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی، صفحہ 134)

4۔ ”جب کوئی کلام دو یا دو سے زیادہ الفاظ سے مرکب ہو اور وہ اپنے معنی غیر موضوع لہ میں استعمال ہوتا ہو تو وہ کلام محاورہ کہلاتا ہے۔“(تسہیل البلاغت: مرزا محمد سجاد بیگ، صفحہ 195)

5۔ ”محاورہ لغت میں مطلقاً بات چیت کرنے کو کہتے ہیں خواہ وہ بات چیت اہل زبان کے روزمرہ کے موافق ہو خواہ مخالف لیکن اصطلاح میں خاص اہل زبان کے روزمرہ یا بول چال یا اسلوب کا نام محاورہ ہے۔ پس ضرور ہے کہ محاورہ تقریباً ہمیشہ دو یا دو سے زیادہ الفاظ میں پایا جائے کیونکہ مفرد الفاظ کو روزمرہ یا بول چال یا اسلوب بیان نہیں کہا جاتا۔“(مقدمۂ شعر و شاعری: خواجہ الطاف حسین حالی، صفحہ 163)

محاورے کی مندرجہ بالا تعریف پر غور کرنے کے بعد درج ذیل نکات سامنے آتے ہیں۔

1۔ محاورہ عربی زبان کا لفظ ہے جس کے لغوی معنی باہمی گفتگو یا بول چال کے ہیں۔

2۔ محاورہ دراصل وہ کلمہ ہے جو لغوی معانی سے مناسبت یا عدم مناسبت دونوں صورتوں میں کسی خاص معنی کے لیے بطور خاص اختیار کر لیا گیا ہو۔

3۔ اگر کئی لفظ باہم مل کر اپنے حقیقی معنوں کی جگہ دوسرے معنوں میں استعمال ہوں تو وہ محاورہ ہے۔

4۔ محاورے کے لیے یہ شرط ہے کہ کم سے کم دو کلموں کا مرکب ہو۔ محض ایک کلمہ یعنی بامعنی لفظ محاورے کی تشکیل نہیں کر سکتا۔

5۔ خاص اہل زبان کے روزمرہ یا بول چال یا اسلوب کا نام محاورہ ہے۔

مندرجہ بالا نکات کی روشنی میں یہ آسانی سے سمجھا جا سکتا ہے کہ محاورے کا اطلاق ان افعال پر ہوتا ہے جو کسی اسم کے ساتھ مل کر اپنے حقیقی معنوں کی بجائے مجازی معنوں میں استعمال ہوں جیسے لفظ ”اتارنا“ کے معنی ہیں کسی شئے یا شخص کو اوپر سے نیچے اتارنا یعنی یہ مصدر فعل ہے کہ جس سے کسی کام کا ہونا یا کرنا پایا جائے۔ اب اسی لفظ کا استعمال محاورے کی شکل میں دیکھئے۔ ” شیشے میں اتارنا“ یعنی اپنے موافق کر لینا، ہم نوا بنا لینا وغیرہ۔ یہاں لفظ اتارنا حقیقی یا لغوی معنی کی بجائے مجازی معنی میں استعمال ہو رہا ہے۔ اب آیئے اس بات کی طرف کہ الفاظ یا افعال کے یہ مجازی معانی ان الفاظ کے لغوی یا حقیقی معانی سے مناسبت رکھتے ہوں یا عدم مناسبت تو اس تعلق سے درج ذیل محاوروں پر غور کیجیے۔

1۔ ”ایک تیر سے دو شکار کرنا۔“ 2۔ ” دل باغ باغ ہو جانا۔“

پہلی مثال دیکھیے، تیر و کمان کی مدد سے کسی بھی پرندے، چرندے یا درندے کا شکار کیا جا سکتا ہے۔ کسی انسان کو بھی نشانہ بنایا جا سکتا ہے۔ تیر و کمان کی حیثیت ایک اہم جنگی ہتھیار کے طور پر ماضی قریب تک رہی ہے جب تک کہ ان کی جگہ آتشیں ہتھیاروں نے نہ لے لی۔ اب رہا ایک ہی تیر سے دو جانوروں، پرندوں وغیرہ کا شکار کرنا۔ اس کے دو معنی نکلتے ہیں۔ پہلا یہ کہ شکاری بیک وقت دو شکاروں کو اگر وہ ایک دوسرے کے بے حد نزدیک ہوں تو انہیں ایک ہی تیر سے شکار کر سکتا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ وہ ایک تیر سے کوئی شکار کرے اور پھر مردہ یا زخمی شکار کے جسم میں پیوست وہ تیر نکال لے اور پھر اسی تیر سے دوسرے شکار کو نشانہ بنائے۔ یہ دونوں صورتیں ممکن ہیں اور ایسا

ہو سکتا ہے یعنی یہ بعید از قیاس نہیں ہے اس لیے یہاں محاورہ الفاظ کے لغوی معانی سے مناسبت رکھتا ہے، لیکن چونکہ یہ محاورہ ہے اس لیے یہاں لغوی معنی سے مناسبت کے باوجود الفاظ کے لغوی معانی مطلوب نہیں ہیں بلکہ کچھ اور معانی مراد ہیں اور وہ یہ ہیں کہ ایسا کام کرنا جس سے بیک وقت دو مقاصد پورے ہوں۔ اسی بات کو ذرا بدلی ہوئی شکل میں ایک دوسرے محاورے کے ذریعے بھی کہا گیا ہے یعنی ''آم کے آم، گٹھلیوں کے دام''۔ اب آیئے دوسری مثال کی طرف۔ ''دل باغ باغ ہونا'' یعنی بے انتہا خوش ہونا۔ اس محاورے میں الفاظ کے لغوی معانی سے محاورے کے معانی مطلوب کی کوئی مناسبت نہیں ہے۔ کیونکہ دل کا خوشی و مسرت کے باعث باغ میں تبدیل ہو جانا ہر لحاظ سے بعید از قیاس ہے۔ ان دونوں مثالوں میں چونکہ الفاظ کے مطلوبہ معانی ان کے لغوی معانی نہیں ہیں اس لیے ہم ان جملوں کو محاورہ قرار دیں گے۔

محاوروں کے تعلق سے ایک اور اہم بات یہ کہی جاتی ہے کہ اس کے آخر میں ہر حال میں علامت مصدر ''نا'' کا ہونا ضروری ہے اور یہ علامت مصدر فعل کی مختلف صورتوں کے ساتھ بدلتی رہتی ہے جیسے ''رنگے ہاتھوں پکڑا جانا'' فعل کی اس بدلی ہوئی صورت کے ساتھ، ''چور بھاگ نہیں سکا اور رنگے ہاتھوں پکڑا گیا۔'' آپ نے دیکھا کہ ''پکڑا جانا'' یہاں ''پکڑا گیا'' ہو گیا ہے، لیکن ہر حال میں علامت مصدر ''نا'' کا محاورے کے آخر میں آنا ضروری نہیں ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ایسی صورتیں استثنائی ہیں، مثلاً ''خواب خرگوش'' یا ''ٹیڑھی کھیر'' وغیرہ جیسے محاورے آخر میں علامت مصدر ''نا'' نہیں رکھتے۔ یہی سبب ہے کہ ڈاکٹر یونس اگاسکر محاورے کی اپنی تعریف میں اسے ضروری کی جگہ محض ایک عمومی صورت قرار دیتے ہیں:

> ''صوری اعتبار سے محاورہ الفاظ کے ایسے مجموعے کو کہتے ہیں جس سے لغوی معنی کی بجائے ایک قرار یافتہ معنی نکلتے ہوں۔ محاورے میں عموماً علامت مصدر ''نا'' لگتی ہے جیسے آب آب ہونا، دل ٹوٹنا، خوشی سے پھولے نہ سمانا۔ محاورہ جب جملے میں استعمال ہوتا ہے تو علامت مصدر ''نا'' کی بجائے فعل کی وہ صورت آتی ہے جو گرامر کے اعتبار سے موزوں ہوتی ہے جیسے دل ٹوٹ گیا، دل ٹوٹ جاتے ہیں، دل ٹوٹ جائے گا وغیرہ۔''
>
> (اردو کہاوتیں: ڈاکٹر یونس اگاسکر، صفحہ 45)

بحیثیت مجموعی ماہرین نے محاورے کے لیے جو شرطیں متعین کی ہیں وہ تین ہیں۔

1۔ دو یا دو سے زیادہ الفاظ کا مجموعہ ہو (کوئی بھی محاورہ یک لفظی نہیں ہو سکتا)۔

2۔ الفاظ مجازی معنوں میں استعمال ہوں (مثلاً جھاڑو پھیرنا سے مراد جھاڑو لگانا نہیں بلکہ سب کچھ چرا لینا ہے)۔

3۔ مصدر سے مل کر بنا ہو (ہر محاورے میں کوئی نہ کوئی مصدر فعل عام طور پر ہو گا مثلاً پھوٹ پھوٹ کر رونا، شرم سے پانی پانی ہو جانا وغیرہ)۔

محاورے میں صرف علامت مصدر ''نا'' فعل کی مختلف صورتوں کے ساتھ بدلے گی، اس کے علاوہ محاورے کے الفاظ میں اور کسی طرح کی تبدیلی جائز نہیں ہے۔ مثال کے طور پر محاورہ ''آٹھ آٹھ آنسو رونا'' میں فعل کی صورت میں تبدیلی ہو سکتی ہے جیسے ''آٹھ آٹھ آنسو رویا'' لیکن اس محاورے کی یہ تبدیل شدہ صورت کہ ''دس دس آنسو رونا'' جائز نہیں ہے۔ ذیل میں دو ایسے اشعار بطور مثال دیے جا رہے ہیں جن

میں ایک ہی محاورہ " ہاتھوں کے طوطے اڑنا" نظم کیا گیا ہے۔

اس کا خط جب دیکھتے ہیں صیاد
طوطے ہاتھوں کے اڑا کرتے ہیں

جب یہ سنا کہ زرد حنا دل کا چور ہے
ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے رنگ حنا کے ساتھ

پہلے شعر میں محاورے کی ترتیب کو بدلا گیا ہے۔ "طوطے اڑا کرتے" سے جو مصدر فعل حاصل ہو گا وہ "طوطے اڑانا" ہو گا اور یہ غلط ہے۔ جب کہ دوسرے شعر میں "طوطے اڑ گئے" ہے، اس سے جو مصدر فعل بر آمد ہو گا وہ "طوطے اڑنا" ہو گا اور یہی اس محاورے کی اصل ترتیب ہے، لیکن ایک رائے اس کے بر عکس بھی ہے۔ سید انور حسین آرزو لکھنوی اپنی تصنیف "نظام اردو" میں رقم طراز ہیں:

" محاورات میں ایسا تغیر جس سے اس کی اصلیت اس طرح بگڑ جائے کہ روزمرہ کی تعریف میں بھی نہ آئے ناجائز ہے اور نہ بگڑے تو جائز ہے اور حسن کلام بڑھ جائے تو مستحسن ہے۔"

(نظام اردو: سید انور حسین آرزو لکھنوی، صفحہ 79)

آرزو لکھنوی نے ایک محاورے کے حوالے سے " تصرف مستحسن" کی مثال دیتے ہوئے میر انیس کا یہ شعر درج کیا ہے۔

کود کی، پیری، جوانی دیکھی
تین دن کی زندگانی دیکھی

اصل محاورہ میں دو دن یا چار دن کی زندگی استعمال کیا جاتا ہے جس کے معنی "قلت زمانہ" کے ہیں۔ اب چونکہ میر انیس نے عمر کے تین موڑ یا پڑاؤ بچپن، جوانی اور بڑھاپے کا ذکر کیا ہے لہٰذا اس کی رعایت سے تین دن کی زندگانی "تصرف مستحسن" ہے۔ یعنی محاورے میں ایسا تصرف جائز ہی نہیں مستحسن ہے کیونکہ اس تصرف سے شعر کی معنی آفرینی میں اضافہ ہوا ہے۔ اب ہم محاوروں کی مختلف اقسام پر گفتگو کریں گے۔

2.2.1 محاورے کی اقسام:

سید قدرت نقوی نے اپنی تصنیف " لسانی مقالات" میں معانی کے لحاظ سے محاوروں کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

1۔ محاوروں کی پہلی قسم وہ ہے جب ان میں آنے والا اسم یعنی نام مجازی معنوں میں استعمال ہو جیسے "کافور ہو جانا" ۔ لفظ "کافور" ایک اسم ہے یہ ایک چیز کا نام ہے جو خوشبو رکھتی ہے، لیکن اس محاورے میں یہ اسم مجازی معنوں میں استعمال ہو رہا ہے ۔ یہاں "کافور ہو جانا" کا مطلب ہے غائب ہو جانا۔

2۔ محاوروں کی دوسری قسم وہ ہے جب مصادر اور ان کے مشتقات مجازی معنوں میں استعمال ہوں جیسے "غم کھانا" ۔ اس مثال پر غور

کریے یہاں مصدر فعل ''کھانا'' اور اس کا مشتق ''غم'' دونوں حقیقی نہ ہو کر مجازی معنوں میں ہی استعمال ہوئے ہیں کیونکہ اصلاً غم کھانا ممکن نہیں ہے۔ غم تو خوشی کی طرح محض ایک احساس ہے کوئی کھانے کی شئے نہیں۔

3۔ محاوروں کی تیسری قسم وہ ہے جب اسم اور فعل دونوں کے حقیقی اور لغوی معنی ممکن تو ہوں، لیکن دونوں سے مراد ان کے مجازی معنی ہی لیے جائیں جیسے '' رال ٹپکنا'' یا ''دال نہ گلنا'' وغیرہ۔ رال منھ سے واقعتاً ٹپکتی ہے اور دال کا گلنا یا نہ گلنا بھی ایک حقیقی صورت حال ہے یعنی یہاں اسم ''رال'' اور '' دال'' نیز فعل ''ٹپکنا'' اور ''گلنا'' کا حقیقی مفہوم موجود ہے، لیکن محاورے میں ان کے مجازی معنی ہی مراد لیے جائیں گے یعنی رال ٹپکنا = لالچ کرنا یا للچانا۔ دال نہ گلنا = کام کا نہ بننا۔

2.3 کہاوتیں

1۔ ''کہاوت (ہ) اسم مونث ا۔ کہن، قول، بچن، مثل ۲۔ ضرب المثل، وہ بات جو نظیراً بار بار زبان پر آئے۔''

(فرہنگ آصفیہ، جلد دوم، صفحہ 1695)

2. "Proverb is a short pithy saying in common use."

(Oxford Dictionary)

لفظ کہاوت چونکہ اردو میں ہندی زبان سے آیا ہے اور یہ لفظ اصلاً ہندی الاصل ہے اس لیے یہ ضروری ہے کہ ہم اس پر بھی غور کریں کہ ہندی زبان کی لغات میں کہاوت کا کیا مفہوم بیان کیا گیا ہے نیز اس زبان کے ماہرین کہاوت کے تعلق سے کیا کہتے ہیں؟

1۔ مانک ہندی کوش میں کہاوت کا اشتقاق اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ کہا = کہی ہوئی + وت = بات۔ یعنی کہی ہوئی بات یا ''کہاوت''۔

2۔ ہندی وشو کوش کے مطابق مادہ ''کہ'' کے آگے لاحقہ ''آوت'' لگا کر لفظ کہاوت بنایا گیا ہے۔

3۔ ڈاکٹر سدھیشور ورما کے مطابق لفظ کہاوت ہندی مصدر ''کہنا'' کے امر ''کہ'' میں ''آو'' کا لاحقہ جڑنے سے پہلے لفظ ''کہاو'' بنا پھر اس میں ''ات'' کا لاحقہ لگنے سے لفظ ''کہاوت'' وجود میں آیا۔

4۔ کنہیالال سہل مصنف ''راجستھانی کہاوتیں'' کے مطابق کہاوت کا ایک مفہوم کہی ہوئی بات بھی ہے۔ کہاوت یعنی کہی ہوئی بات۔

کہاوت کی مندرجہ بالا دونوں تعریفوں پر غور کرنے کے بعد اب اس کی خصوصیات کا جائزہ لیتے ہیں۔ کہاوت کی مختلف تعریفوں پر غور کرنے سے اس کی تین اہم خصوصیات ہمارے سامنے آتی ہیں۔ پہلی یہ کہ کہاوت کا ایک اہم وصف ''اختصار'' ہے یعنی کہاوت مختصر ہوتی ہے، کوئی بھی کہاوت محض ایک یا دو جملوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ کہاوت کی جو دوسری خصوصیت سامنے آتی ہے وہ ہے اس کا بے پناہ معنویت کا حامل ہونا، بالفاظ دیگر کہاوت میں معنوی زور پایا جاتا ہے۔ تیسری خصوصیت اس کا کثرت سے استعمال ہے۔ روزمرہ کی گفتگو میں اپنی بات کو کسی بر محل و باموقعہ کہاوت کے ذریعے مستحکم و قابل قبول بنانے کی ضرورت کہاوت کے بار بار استعمال پر مجبور کرتی ہے۔ کہاوت یا ضرب المثل کا سب سے اہم وصف یہ ہے کہ کہاوتیں خواہ کسی بھی زبان سے تعلق رکھتی ہوں، یہ سینہ بہ سینہ ایک نسل سے دوسری نسل

کو منتقل ہوتی آئی ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ اسی وقت ممکن ہو سکتا ہے جب کوئی بھی کہاوت ایک عمومی سچائی کی حامل ہو یعنی وہ صدیوں کے ان تجربات کا نچوڑ ہو جو کسی بھی معاشرے میں ایک عمومی سچائی کا درجہ حاصل کر چکے ہوں۔ کہاوت کی چند مزید تعریفیں ملاحظہ کیجیے:

1۔ ''کہاوت دانش مندوں کے اقوال کی تفسیر ہے۔'' (بائبل)

2۔ '' مختصر جملے جو طویل تجربات کے بطن سے پیدا ہوئے ہوں، کہاوت کہلاتے ہیں۔'' (سروانتے)

3۔ ''مشہور و مستعمل فیصلے جو غیر مستعمل ہئیت اور طرز میں ڈھلے ہوں۔'' (اراسمس)

4۔ '' مختصر جملے جن میں قدمانے قوانین کی طرح زندگی کو سمو دیا ہو۔'' (جان اگریکولا)

5۔ ''کہاوتوں کو دانش مندی کا نچوڑ کہنا چاہیے۔'' (دیوبرٹ)

6۔ '' فرو واحد کی ذہانت اور بہتوں کی دانش مندی کا نام کہاوت ہے۔'' (جان رسل)

کہاوت یا ضرب المثل کی جو بھی تعریفوں اوپر بیان کی گئی ہیں، ان سب پر غور کرنے سے کہاوت کے درج ذیل اوصاف سامنے آتے ہیں:

1۔ دانش مندی 2۔ اختصار 3۔ طویل تجربات 4۔ قوانین 5۔ ذہانت 6۔ غیر معمولی طرز بیان

اب اگر ان خصوصیات میں رواج عام یا مقبولیت کو بھی ہم شامل کر لیں تو کہاوت کے تمام اوصاف کا احاطہ ہو جائے گا۔ مندرجہ بالا انہی تمام اوصاف کو یکجا کرتے ہوئے ڈاکٹر یونس اگاسکر نے کہاوت کی درج ذیل تعریف بیان کی ہے:

''کہاوت قدما کے طویل تجربات و مشاہدات کا نچوڑ وہ دانش مندانہ قول ہے جس میں کسی کی ذہانت نے زور بیان پیدا کیا ہو اور جسے قبول عام نے روزمرہ کی زندگی کا کلیہ بنا دیا ہو۔''

(اردو کہاوتیں: ڈاکٹر یونس اگاسکر، صفحہ 30)

ڈاکٹر یونس اگاسکر کی بیان کردہ تعریف ''کہاوت'' کی کم و بیش تمام خصوصیات کا احاطہ کر لیتی ہے، لیکن یہاں ایک اور بات واضح کر دینی ضروری ہے کہ کہاوت کو ''دانش مندانہ قول'' قرار دیے جانے سے یہ قطعی نہیں سمجھنا چاہیے کہ ہر دانش مندانہ قول کہاوت کے زمرے میں آتا ہے۔ ہم حکماء یا دانش وروں کے اقوال کو کہاوت نہیں کہہ سکتے کیونکہ کہاوت کے لیے اس کا زبان زد عام و خاص ہونا یعنی مقبول عام ہونا ایک لازمی شرط ہے جب کہ کسی بھی دانش مند کا قول مقبول عام ہو یہ قطعاً ضروری نہیں ہے۔

2.3.1 کہاوت کی اقسام:

''کہاوت'' کی اس تعریف کے بعد اس کی دو اہم اقسام کا ذکر کرنا ضروری ہے۔ پروفیسر رے براؤن کے مطابق کہاوتیں دو طرح کی ہوتی ہیں۔ ایک ادبی کہاوت دوسری غیر ادبی کہاوت۔ ذیل میں ہم کہاوت کی انہی دو اقسام پر گفتگو کریں گے۔

ادبی کہاوتیں :

ادبی کہاوتیں (Literary Proverbs) معیاری اسلوب، شستہ زبان اور ذہانت و ظرافت کی حامل ہوتی ہیں۔ پروفیسر براؤن نے

انجیل کے ایک مستند انگریزی ترجمے کی ایک کہاوت کی مثال دے کر یہ بتایا ہے کہ ادبی کہاوت غیر ادبی کہاوت سے کس طرح اور کیسے مختلف ہوتی ہے۔ یہ کہاوت اس طرح ہے:

"To everything there is a season, and a time to every purpose under the heaven."

انگریزی کے مشہور ڈراما نگار ولیم شیکسپیر نے اپنے مشہور ڈرامے Comedy of Errors میں انجیل مقدس کی اسی کہاوت کو اس طرح استعمال کیا ہے"There is a time for all things " اس کے بعد جب یہی کہاوت عوام میں مقبول ہو کر عوامی شکل اختیار کر گئی تو یہ زیادہ چست اور برجستہ ہو گئی:

"There is a time for everything"

اردو میں ادبی کہاوتوں کی مثالیں اشعار کے ان مصرعوں سے دی جاسکتی ہیں، جو اپنی مقبولیت اور قبول عام کے باعث زبان زد عام وخاص ہو گئے ہیں۔ مقبولیت کی بناء پر عام طور پر کسی شعر کا مصرعہ اولیٰ یعنی پہلا مصرعہ یا مصرعہ ثانی یعنی دوسرا مصرعہ مشہور ہو جاتا ہے اور ایک ادبی ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔ ذیل میں ایسے ہی چند مقبول عام مصرعے دیے جا رہے ہیں :

بطور ضرب المثل مقبول عام مصرعے	**مصرعہ اولیٰ یا ثانی**	
1۔ "اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے"	"دل کے پھپھولے جل اٹھے سینے کے داغ سے	(مصرعہ اولیٰ)
2۔ "خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو"	"قیس جنگل میں اکیلا ہے مجھے جانے دو"	(مصرعہ اولیٰ)
3۔ "جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی"	"پاپوش میں لگائی کرن آفتاب کی"	(مصرعہ اولیٰ)
4۔ "ہوئی تاخیر تو کچھ باعث تاخیر بھی تھا"	"ہم نہ آئے تو کوئی ہم سے عناں گیر بھی تھا"	(مصرعہ ثانی)
5۔ "سامان سو برس کا پل کی خبر نہیں"	"آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں"	(مصرعہ اولیٰ)

ان کے علاوہ عربی اور فارسی زبانوں کے کچھ مصرعے اور مقولے بھی بطور ضرب المثل یا کہاوت اہل علم حضرات دوران گفتگو اکثر و بیشتر استعمال کرتے ہیں۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

1۔ "الانسان باللسان" (عربی) "انسان زبان کی وجہ سے انسان ہے۔"

2۔ "الحق مبر" (") "سچی بات کڑوی ہوتی ہے۔"

3۔ "جائے استاد خالی ایست" (") " استاد کی جگہ کوئی نہیں لے سکتا۔"

4۔ "ہنوز دلی دور است" (") " ابھی دلی دور ہے۔"

غیر ادبی یا روایتی کہاوتیں :

اگر بہ نظر انصاف دیکھا جائے تو غیر ادبی یا روایتی (Non Literary or Traditional Proverbs) ہی اصلاً کہاوت

کہلانے کی سزاوار ہیں، کیوں کہ یہ ایک نسل سے دوسری نسل کو سینہ بہ سینہ منتقل ہوتی آئی ہیں۔ کسی بھی زبان کا محاوراتی لہجہ عام طور پر انہی عوامی کہاوتوں سے ہی متعین ہوتا ہے۔ غیر ادبی یا روایتی کہاوتیں مختلف تاریخی واقعات، اساطیر، دیومالائی تصورات اور صدیوں کے انسانی تجربات کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ یہ کہاوتیں زبان کے لسانی وادبی مزاج کی بھی تشکیل کرتی ہیں اور کسی معاشرے کی تہذیب کی شناخت کا سبب بھی بنتی ہیں۔ پروفیسر آرچر ٹیلر نے عوامی یا غیر ادبی کہاوتوں کو درج ذیل زمروں میں تقسیم کیا ہے۔

1۔ **ملفوظات پر مبنی:** بزرگوں کے وہ اقوال جو اپنی بے پناہ سماجی معنویت کی وجہ سے ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔ جیسے "شہ کی چوٹ، شکر کی پوٹ۔" یہ کہاوت دراصل حضرت سید محمد جونپوری کا کہا ہوا وہ جملہ ہے، جو انہوں نے اس وقت کہا تھا جب خراسان کی شاہی فوج نے انہیں پریشان کیا پھر شاہ خراسان نے رقعہ بھیج کر ان سے اس واقعہ پر معذرت کی۔

2۔ **کسی واقعے کا رمزیاتی یا استعاراتی اظہار:** دلی کے قریب ایک ویرانے میں ایک بوڑھیا بھکارن بیٹھا کرتی تھی، جس کے بیٹے پوتے قریب کی جھاڑیوں میں چھپے رہتے۔ اگر کوئی تنہا راہ گیر گزرتا تو بڑھیا صدا لگاتی " اکیلے دکیلے کا اللہ بیلی" اور اس آواز پر اس کے بیٹے پوتے آکر اس راہ گیر کو لوٹ لیتے۔ اگر مسافر کئی ہوتے تو وہ صدا دیتی "جماعت سے کرامت ہے" یہ سن کر وہ لوگ باہر نہیں آتے تھے۔ اس طرح اردو کی یہ دو کہاوتیں وجود میں آئیں۔

3۔ **کسی حقیقی واقعہ یا حکایت کا جامع ترین اختصار:** کسی احسان فراموش شخص کے لیے کہا جاتا ہے کہ "جس کی گود میں بیٹھے اس کی داڑھی کھونٹے۔" اس کہاوت کے پیچھے روایت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پرورش فرعون کے محل میں ہوئی۔ جب وہ بچے تھے تو ایک دن فرعون نے انہیں اپنی گود میں بٹھار کھا تھا۔ فرعون کی داڑھی ہیرے جواہرات سے مزین تھی، حضرت موسیٰ نے داڑھی نوچ لی اور فرعون نے غضب میں آکر آپ کو قتل کر دینے کا حکم صادر کر دیا۔ زوجہ فرعون حضرت آسیہ نے کہا یہ بچہ ہے اور اس کی نظر میں تمرہ (کھجور) اور جمرہ (انگارہ) میں کوئی فرق نہیں۔ چناچہ ایک ایک پلیٹ کھجور وانگارے کی رکھی گئی، حضرت موسیٰ نے انگارہ اٹھا کر منہ میں رکھ لیا۔ چونکہ پرورش کرنے کی بناء پر فرعون کو حضرت موسیٰ کا محسن قرار دیا جاسکتا ہے، اسی لیے یہ کہاوت وجود میں آئی ہوگی۔ بہر حال یہ ایک مشہور واقعہ کے جامع ترین اختصار کی حیثیت رکھتی ہے۔

4۔ **مذہبی کتب سے ماخوذ:** مذہبی کتب میں بیان کیے گئے واقعات سے بھی کچھ کہاوتیں وجود میں آئی ہیں۔ قرآن حکیم میں جناب موسیٰ اور فرعون کے جو واقعات بیان ہوئے ہیں اسی سے فارسی کی یہ کہاوت یا ضرب المثل وجود میں آئی ہے۔ "ہر فرعون را موسیٰ" یعنی ہر ظالم کا خاتمہ کرنے کے لیے کوئی نہ کوئی ضرور سامنے آتا ہے۔

5۔ **بے اختیار منہ سے نکلا ہوا ٹکڑا:** دہلی کا سلطان غیاث الدین تغلق حضرت نظام الدین اولیاء سے بغض وعداوت رکھتا تھا۔ بنگالہ سے واپسی پر اس نے ان کے پاس پیغام بھیجا کہ وہ اس کے دہلی پہنچنے سے پہلے دلی چھوڑ کر چلے جائیں۔ جب یہ پیغام حضرت نظام الدین اولیاء تک پہنچا تو بے اختیار ان کی زبان سے نکلا "ہنوز دلی دور است۔" کہا جاتا ہے کہ آپ اس وقت حالت جذب میں تھے۔ یہ بات پوری ہو کر رہی اور سلطان خود دہلی سے کچھ دوری پر ایک حادثے کا شکار ہو گیا۔ آج حضرت کے منہ سے نکلا ہوا یہ جملہ ایک ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔

کہاوت یا ضرب المثل کی تعریف اور اس کی اقسام پر گفتگو کرنے کے بعد ذیل میں ایسی کچھ کہاوتیں درج کی جارہی ہیں جو اردو زبان کے لسانی

وتہذیبی مزاج کا حصہ بن چکی ہیں اور جن کے بغیر اردو میں کسی بامحاورہ تحریر و تقریر کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا ہے۔

1۔ گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے	2۔ آم کے آم گٹھلیوں کے دام	3۔ گڑ کھائے گلگلے سے پرہیز
4۔ سو سنار کی ایک لوہار کی	5۔ کام کا نہ کاج کا دشمن اناج کا	6۔ ایک انار سو بیمار
7۔ ناچ نہ آوے آنگن ٹیڑھا	8۔ پڑھے نہ لکھے نام محمد فاضل	9۔ یہ منہ اور مسور کی دال

2.4 محاورے اور کہاوت میں مماثلات وافتراقات

محاوروں اور کہاوتوں میں بہت سی باتیں مشترک ہیں، لیکن دونوں کے مابین فرق بھی واضح ہے۔ ذیل میں انہی مماثلات وافتراقات پر گفتگو ہوگی۔

(الف) مماثلات

1۔ کہاوت اور محاورے دونوں میں جو سب سے اہم قدر مشترک ہے وہ دانش وحکمت اور ذہنی وفکری استعداد کا وہ قرینہ ہے، جو صدیوں کے انفرادی واجتماعی تجربات کے زیر سایہ پروان چڑھا اور پھلا پھولا ہے۔ یعنی دونوں کا اہم عنصر حکمت ودانائی اور وہ تجربات ہیں، جو نسل در نسل ایک سے دوسرے کو منتقل ہوئے ہیں۔

2۔ کہاوت اور محاورے کے مابین دوسرا اہم مشترکہ عنصر ان دونوں کے الفاظ کا لغوی نہ ہو کر اصطلاحی ومجازی محل استعمال ہے۔ یعنی خواہ وہ کہاوت ہو یا محاورہ دونوں کے الفاظ سے جو معنی مراد لیے جاتے ہیں وہ اصطلاحی ومجازی معنی ہوتے ہیں نہ کہ لغوی یا حقیقی معنی۔ مثال کے طور پر اگر ہم کہیں کہ ''جو گرجتے ہیں وہ برستے نہیں'' تو یہاں ان الفاظ کے لغوی نہیں بلکہ اصطلاحی معنی مطلوب ہیں یعنی جو لوگ زیادہ باتیں کرتے ہیں وہ عملی اعتبار سے اکثر وبیشتر ناکارہ ثابت ہوتے ہیں۔

3۔ کہاوت اور محاورے دونوں کا استعمال عام طور پر ایک بڑے وسیع تجربے سے لوگوں کو روشناس وواقف کرانے کے لیے کیا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ان کی حیثیت ایک قسم کے تلقین وتنبیہہ آمیز کلمات کی بھی ہے۔ چونکہ ان دونوں کا عام تعلق تجربے ومشاہدے سے ہے۔ اسی لیے نئی نسل کے بجائے پرانی نسل ان کا استعمال دوران گفتگو یا تحریر زیادہ کرتی ہے۔

4۔ کہاوت اور محاورے میں ایک اور قدر مشترک یہ پائی جاتی ہے کہ دونوں کے پس منظر میں اکثر وبیشتر کوئی نہ کوئی تاریخی یا فرضی حکایت یا کوئی رسم نیز دیگر کوئی تہذیبی قدر موجود ہوتی ہے۔ کہاوت ''گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے'' اور محاورہ ''بیڑا اٹھانا'' دونوں کے پس منظر میں تاریخی واقعہ یا رسم قدیم ہے۔ ''گھر کا بھیدی'' سے مراد لنکا کے راجا راون کا بھائی وبھیشن ہے جو رام چندر جی سے مل گیا اور اس کی فراہم کردہ معلومات کی روشنی میں رام چندر جی کی فوج نے بہ آسانی لنکا فتح کرلی۔ ''بیڑا اٹھانا'' سے مراد ماضی کی ایک راجپوتی رسم ہے جب پان کا بیڑا اٹھانے کا مطلب کسی انتہائی دشوار گزار جنگی مہم کی ذمہ داری قبول کرلینا ہوتا تھا۔

(ب) افتراقات

کہاوت اور محاورے کے درمیان پائے جانے والے ان مشترکہ عناصر سے قطع نظر دونوں کے درمیان جو فرق ہے اسے سمجھنا اشد

ضروری ہے کیونکہ اگر ہم اس فرق کو ذہن میں نہیں رکھیں گے تو محاورے اور کہاوت کے مابین خلط مبحث کا پیدا ہونا یقینی ہے جیسا کہ اوپر بیان کیا جاچکا ہے۔

1۔ کہاوت ایک مکمل جملے کی حیثیت رکھتی ہے جب کہ محاورہ محض الفاظ کا مجموعہ ہوتا ہے جو عام طور پر علامت مصدر "نا" پر ختم ہوتا ہے۔ جیسے

(الف) "سوسنار کی ایک لوہار کی" (کہاوت) (ب) " پھوٹ پھوٹ کر رونا" (محاورہ)

2۔ کہاوت بغیر کسی تبدیلی کے جملے کا جزو بن جاتی ہے جب کہ محاورے میں فعل کی صورت زمانہ و فرد کے لحاظ سے بدلتی رہتی ہے۔ جیسے

(الف) "ناچ نہ آوے آنگن ٹیڑھا" (کہاوت) "تم ہمیشہ اپنی غلطیوں کے لیے دوسروں کو الزام دیتے ہو، یہ تو وہی مثل ہوئی ناچ نہ آوے آنگن ٹیڑھا۔"

(ب) " آنکھیں دکھانا" (محاورہ) " کبھی بیٹے کو آنکھیں بھی دکھایا کرو اس قدر لاڈ پیار اسے بگاڑ کر رکھ دے گا۔

آپ نے دیکھا کہ کہاوت ایک جملے کا جزو اپنی مکمل صورت میں بنی جب کہ محاورے میں زمانہ و فرد کے لحاظ سے تبدیلی واقع ہوگئی۔

3۔ کہاوت کے معنی امکانی و قیاسی ہوسکتے ہیں یعنی ان کے لغوی مفہوم کا امکان بھی ہے اور ان کے حقیقی ہونے پر قیاس کیا جاسکتا ہے۔ مثال کے طور پر "سوسنار کی ایک لوہار کی" یا " اونچی دکان پھیکا پکوان" لیکن "پھوٹ پھوٹ کر رونا" اور شرم سے پانی پانی ہوجانا" کے ہر حال میں مجازی و اصطلاحی معنی ہی مراد لیے جاسکتے ہیں، حقیقی نہیں۔

4۔ کہاوت یا ضرب المثل دراصل ایک جملہ تامہ ہے۔ جو اپنے مکمل مفہوم کے لیے کسی دوسرے جملے یا عبارت کی محتاج نہیں جب کہ محاورہ ایک غیر جملہ تامہ کی حیثیت رکھتا ہے جو کسی دوسری عبارت کے بغیر اپنا مفہوم ادا نہیں کر سکتا۔

کسی بھی زبان میں محاوروں کے استعمال کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ کم سے کم الفاظ میں بڑی سے بڑی بات کہہ دی جاتی ہے۔ لفظوں کے لغوی معنی ہمیشہ محدود ہوتے ہیں جب کہ مجازی معنوں میں ایک جہان معانی پوشیدہ ہوتا ہے۔ اس لیے کہاوت یا ضرب الامثال کی طرح محاورے بھی بے حد اہم ہیں۔

2.5 سابقے لاحقے

سابقے اور لاحقے وہ الفاظ ہیں جو کسی لفظ کے پہلے یا بعد میں آکر اس کے معنی بدل دیتے ہیں۔ پہلے آنے والے لفظ کو "سابقہ" (Prefix) اور بعد میں آنے والے لفظ کو "لاحقہ" (Suffix) کہا جاتا ہے۔

مثلاً 1۔ بے اختیار (یہاں "بے" سابقہ ہے)

2۔ چال باز (یہاں "باز" لاحقہ ہے)۔

سابقے کی چند مثالیں

1۔ با----------باادب۔ باملاحظہ۔ باشعور۔ باذوق۔ باوفا۔ بااخلاق۔ باوثوق۔ باخبر۔ بااختیار۔ بااصول

2۔ بد----------بدنام۔ بدنما۔ بدکردار۔ بدمزاج۔ بدزبان۔ بدفطرت۔ بدنظر۔ بدکار۔ بدذوق۔ بدمذاق

3۔ بے----------بے کار۔ بے وجہ۔ بے شعور۔ بے مثل۔ بے لاگ۔ بے پرواہ۔ بے خبر۔ بے ہنر۔ بے زبان

4۔ پُر----------پر مغز۔ پر اسرار۔ پر شکوہ۔ پر تکلف۔ پر بہار۔ پر خلوص۔ پر جوش۔ پر سکون۔ پر نم۔ پر درد

5۔ پس----------پس پردہ۔ پس منظر۔ پس ماندہ۔ پس انداز۔ پس پشت۔ پس مرگ

لاحقے کی چند مثالیں

1۔ باز----------چال باز۔ دھوکے باز۔ دغاباز۔ جاں باز۔ پتنگ باز۔ نشانے باز۔ خلاباز۔ ہواباز۔ نشہ باز۔ آتش باز

2۔ پسند----------خود پسند۔ دل پسند۔ من پسند۔ ترقی پسند۔ شہرت پسند۔ حقیقت پسند۔ شر پسند۔ انا پسند۔ عدل پسند

3۔ پوش----------میز پوش۔ نقاب پوش۔ پاپوش۔ پلنگ پوش۔ سر پوش۔ خوان پوش۔ تخت پوش۔ سیاہ پوش۔ عیب پوش

4۔ خانہ----------صاحب خانہ۔ دیوان خانہ۔ زنان خانہ۔ ڈاک خانہ۔ شراب خانہ۔ اہل خانہ۔ دواخانہ۔ کبوتر خانہ

5۔ دار----------جان دار۔ سمجھ دار۔ تختہ دار۔ ساجھے دار۔ تحصیل دار۔ تھانے دار۔ دوکان دار۔ کرایہ دار۔ رشتے دار

2.6 مترادف اور متضاد الفاظ

معانی کے اعتبار سے الفاظ کو دو اہم زمروں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے "مترادف" اور "متضاد"۔ ذیل میں ہم الفاظ کی انہی دو اقسام پر گفتگو کریں گے۔

2.6.1 مترادف الفاظ:

یکساں معانی کے حامل الفاظ کو مترادف الفاظ کہا جاتا ہے مثلاً نشیمن اور آشیانہ، صدق اور سچ، فریب اور دھوکا، فرقت اور جدائی، تمیز اور سلیقہ، ڈر اور خوف وغیرہ۔ آپ نے محسوس کیا کہ مترادف الفاظ کے ان جوڑوں میں نشیمن اور آشیانہ دونوں فارسی زبان کے الفاظ ہیں اور باہم مترادف ہیں کیونکہ دونوں کے لغوی معانی گھونسلے کے ہیں، لیکن ان کے عام مجازی معانی گھر یا رہائش گاہ کے ہیں۔ صدق اور سچ میں صدق عربی زبان کا لفظ ہے اور سچ ہندی الاصل لفظ ہے، جو سنسکرت زبان کے لفظ "ستیہ" کا "تدبھو" یعنی بگڑی ہوئی شکل ہے ، لیکن معانی دونوں کے یکساں ہیں۔ فریب اور دھوکا میں فریب فارسی کا اور دھوکا ہندی زبان کا لفظ ہے۔ اسی طرح لفظ فرقت کی اصل عربی ہے اور جدائی فارسی الاصل ہے اور یہ دونوں الفاظ بھی ہم معانی ہیں۔ تمیز اور سلیقہ دونوں الفاظ عربی الاصل ہیں اور اردو میں مترادف الفاظ کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ ڈر اور خوف کا بھی یہی معاملہ ہے، ڈر ہندی لفظ ہے اور خوف عربی الاصل۔

2.6.2 متضاد الفاظ:

متضاد الفاظ انہیں کہتے ہیں جو معانی کے لحاظ سے ایک دوسرے کی ضد ہوں جیسے "آگ اور پانی"، "رات اور دن"، "اچھا اور بُرا" وغیرہ۔ انگریزی میں ایک دوسرے کے متضاد الفاظ کو (Antonyms) کہا جاتا ہے:

"A word that expresses a meaning opposed to the meaning of another word, in which case the two words are antonyms of each other ",

ترجمہ : "متضاد لفظ وہ ہے جو ایک دوسرے لفظ کے مفہوم کے برعکس مفہوم کو ظاہر کرتا ہے۔ ایسی صورت میں دونوں الفاظ ایک دوسرے کے متضاد الفاظ قرار پائیں گے۔"

ذیل میں ایسے ہی کچھ متضاد الفاظ دیے جا رہے ہیں:

1۔ کالا-سفید، 2۔ اچھا-برا، 3۔ اونچا-نیچا، 4۔ امیر-غریب، 5۔ عالم-جاہل، 6۔ گناہ-ثواب

ان تمام مثالوں میں پہلا لفظ دوسرے کا اور دوسرا لفظ پہلے لفظ کا متضاشدہ لفظ ہے۔

2.7 اکتسابی نتائج

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ نے درج ذیل باتیں سیکھیں:

- محاوروں کی لسانی، تہذیبی اور اسلوبی نقطۂ نظر سے بڑی اہمیت ہے۔
- کہاوتوں کی حیثیت زبان میں وہی ہے جو کھانے میں نمک کی ہوتی ہے۔
- کہاوت ہو یا محاورہ دونوں کے الفاظ سے جو معنی مراد لیے جاتے ہیں وہ اصطلاحی و مجازی معنی ہوتے ہیں نہ کہ لغوی یا حقیقی معنی۔
- کہاوت اور محاورے دونوں کے پس منظر میں اکثر و بیشتر کوئی نہ کوئی تاریخی یا فرضی حکایت یا کوئی رسم نیز دیگر کوئی تہذیبی قدر موجود ہوتی ہے۔
- کہاوت ایک مکمل جملے کی حیثیت رکھتی ہے جب کہ محاورہ محض الفاظ کا مجموعہ ہوتا ہے جو عام طور پر علامت مصدر "نا" پر ختم ہوتا ہے۔ یہ بغیر کسی تبدیلی کے جملے کا جزو بن جاتی ہے جب کہ محاورے میں فعل کی صورت زمانہ و فرد کے لحاظ سے بدلتی رہتی ہے۔
- محاوروں کی پہلی قسم وہ ہے جب ان میں آنے والا اسم یعنی نام مجازی معنوں میں استعمال ہو۔
- محاوروں کی دوسری قسم وہ ہے جب مصادر اور ان کے مشتقات مجازی معنوں میں استعمال ہوں۔
- محاوروں کی تیسری قسم وہ ہے جب اسم اور فعل دونوں کے حقیقی اور لغوی معنی ممکن تو ہوں، لیکن دونوں سے مراد ان کے مجازی معنی ہی لیے جائیں۔
- کہاوت کا ایک اہم وصف "اختصار" ہے یعنی کہاوت مختصر ہوتی ہے، کوئی بھی کہاوت محض ایک یا دو جملوں پر مشتمل ہوتی ہے۔

- کہاوتوں کو دو زمروں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ 1۔ ادبی کہاوتیں، 2۔ غیر ادبی یا روایتی کہاوتیں۔
- اردو میں ادبی کہاوتوں کی مثالیں اشعار کے ان مصرعوں سے دی جاسکتی ہیں جو اپنی مقبولیت اور قبول عام کے باعث زبان زد عام وخاص ہو گئے ہیں۔
- غیر ادبی یا روایتی کہاوتیں مختلف تاریخی واقعات، اساطیر، دیومالائی تصورات اور صدیوں کے انسانی تجربات کا نتیجہ ہوتی ہیں۔
- ہر کہاوت اپنے پس منظر میں ماضی کے کسی واقعے، حادثے، تاریخی یا نیم تاریخی قصے یا خیالی حکایتوں کو لیے ہوئے ہوتی ہے۔
- کہاوتیں قدیم زبان کے نمونوں کو بہ حفاظت نئی نسل تک پہنچاتی رہتی ہیں۔
- سابقوں ولاحقوں کا نظام زبان کو اختصار بخشتا ہے۔ ان کے استعمال سے کلام میں حسن بھی پیدا ہو جاتا ہے۔
- سابقے اور لاحقے وہ الفاظ ہیں جو کسی لفظ کے پہلے یا بعد میں آکر اس کے معنی بدل دیتے ہیں۔
- پہلے آنے والے لفظ کو ''سابقہ'' (Prefix) اور بعد میں آنے والے لفظ کو ''لاحقہ'' (Suffix) کہا جاتا ہے۔
- مترادفات اور متضاد الفاظ سے واقفیت ہمیں عجز بیان کا شکار نہیں ہونے دیتی۔
- یکساں معانی کے حامل الفاظ کو مترادف الفاظ کہا جاتا ہے مثلاً نشیمن اور آشیانہ، صدق اور سچ وغیرہ۔
- متضاد الفاظ انہیں کہتے ہیں جو معانی کے لحاظ سے ایک دوسرے کی ضد ہوں جیسے ''آگ اور پانی''، ''رات اور دن'' وغیرہ

2.8 کلیدی الفاظ

الفاظ	:	معنی	الفاظ	:	معنی
تدریس	:	پڑھانا	مجازی	:	جو حقیقی نہ ہو
متضاد	:	ایک دوسرے کے برعکس	دانائی	:	عقل مندی
مترادف	:	ہم معنی	مابین	:	درمیان، دو کے بیچ
مختص	:	مخصوص، خاص کیا گیا	تنبیہہ	:	سرزنش، دھمکی
متجاوز	:	تجاوز کرنے والا، حد سے بڑھنے والا	تامہ	:	کلیت کا حامل، مکمل
مشتقاق	:	مشتق کی جمع، لیا گیا، ماخوذ	رزم	:	جنگ، لڑائی
تصرف	:	قبضہ، تسلط، تبدیلی	تفسیر	:	تشریح، تفصیل، صراحت
مرکب	:	مجموعہ، آمیزہ، باہم ملا ہوا	معنی آفرینی	:	معنی پیدا کرنا
آتشیں	:	جلانے والا	مستعمل	:	جو استعمال میں ہو
بعید	:	دور، فاصلے پر	ملفوظات	:	بزرگوں کے اقوال
قیاس	:	اندازہ	ماخوذ	:	اخذ کیا گیا، لیا گیا

طعام	:	کھانا	ناگزیر	:	جس سے بچانہ جاسکے
ترسیل	:	پہنچانا	مزین	:	آراستہ، سجاہوا
مشمولات	:	مشمول کی جمع، شامل کیے گئے	مفرس	:	فارسی آمیز
مطلوب	:	جس کی طلب ہو	متروک	:	جسے ترک کیا گیا
صوری	:	ظاہری	ہندی الاصل	:	جس کی اصل ہندی ہو
مستحسن	:	پسندیدہ، خوب، بہتر	نگوں	:	جُھکاہوا
خلط مبحث	:	دو غیر متعلق باتوں کا باہم مل جانا	قدما	:	قدیم کی جمع، پرانے لوگ
استعداد	:	لیاقت، صلاحیت	انفرادی	:	شخصی
قرینہ	:	طریقہ، سلیقہ	اجتماعی	:	جمع ہو کر، مجموعی طور پر

2.9 نمونۂ امتحانی سوالات

معروضی سوالات

1۔ محاورہ کس زبان کا لفظ ہے؟

(A) عربی (B) فارسی (C) سنسکرت (D) انگریزی

2۔ معانی کے لحاظ سے الفاظ کو کتنے زمروں میں تقسیم کیا جاتا ہے؟

(A) چار (B) پانچ (C) دو (D) تین

3۔ ''کافور ہو جانا'' محاورہ ہے یا کہاوت؟

(A) مصدر (B) محاورہ (C) علامت مصدر (D) سابقہ

4۔ دانش مندانہ قول کسے کہتے ہیں؟

(A) محاورہ (B) کہانی (C) قصہ (D) کہاوت

5۔ سابقہ کو انگریزی میں کیا کہتے ہیں؟

Prifix (A) Suffix (B) Story (C) Meaning (D)

مختصر جوابات کے حامل سوالات

1۔ ''ایک تیر سے دو شکار کرنا'' اس محاورے کے معنی بیان کیجیے۔

2۔ محاورے کے لیے متعین کردہ کسی ایک شرط کا ذکر کیجیے۔

3۔ ”حیوانی محاوروں“ سے کیا مراد ہے؟ واضح کیجیے۔

4۔ ”مانک ہندی کوش“ میں کہاوت کی کیا تعریف بیان کی گئی ہے؟

5۔ ادبی کہاوت کی کوئی ایک مثال پیش کیجیے۔

طویل جوابات کے حامل سوالات

1۔ کہاوت کی تعریف بیان کرتے ہوئے اس کی مختلف اقسام کا ذکر کیجیے۔

2۔ سابقے اور لاحقے سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟ تفصیل سے بیان کیجیے۔

3۔ کہاوت اور محاورے کے مماثلات وافتراقات پر ایک مضمون تحریر کیجیے۔

2.10 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1۔ کیفیہ : پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی

2۔ تسہیل البلاغت : مرزا محمد سجاد بیگ

3۔ اردو کہاوتیں : ڈاکٹر یونس اگاسکر

4۔ قواعد اردو : مولوی عبدالحق

معروضی سوالات کے جوابات

A۔1 C۔2 B۔3 D۔4 A۔5

اکائی 3 : صنائع وبدائع: تشبیہ، استعارہ، مجاز مرسل، کنایہ

اکائی کے اجزا

3.0		تمہید
3.1		مقاصد
3.2		علم بیان: تعریف اور اقسام
3.3		تشبیہ
	3.3.1	تشبیہ کے ارکان
	3.3.2	تشبیہ کی اقسام
3.4		استعارہ
3.5		کنایہ
3.6		مجاز مرسل
3.7		اکتسابی نتائج
3.8		کلیدی الفاظ
3.9		نمونۂ امتحانی سوالات
3.10		تجویز کردہ اکتسابی مواد

3.0 تمہید

کسی بھی زبان کے قواعد سے واقف ہونے کے بعد ہم اس زبان کو صحیح طور پر بغیر کسی غلطی کے بولنا سیکھ لیتے ہیں، لیکن صحیح زبان بولنے اور لکھنے کے بعد اگلا مرحلہ ایک خوب صورت زبان سے واقفیت کا ہے، جسے ہم عام طور پر ادبی زبان کا نام دیتے ہیں۔ یہ ادبی زبان فصاحت اور بلاغت جیسے محاسن کلام کی حامل ہوتی ہے۔ زبان کی اس ادبیت سے واقف ہونے کے لیے چند علوم سے واقفیت ضروری ہے۔ زبان سے متعلق ان علوم میں صرف ونحو کے علاوہ "علم بیان" ، "علم بدیع" اور "علم معانی" سے واقفیت اوران میں مہارت پر ہی فصاحت وبلاغت کا دارومدار ہے۔ ذیل میں ہم "علم بیان" اور اس کی مختلف اقسام پر معلومات حاصل کریں گے۔

3.1 مقاصد

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ اس کے اہل ہو جائیں گے کہ:

- ''علم بیان '' کسے کہتے ہیں اور اس کی اہم اقسام کیا ہیں۔
- ''تشبیہ'' کی تعریف اور اس کے اہم اجزاء کیا ہیں۔
- ''استعارہ'' سے کیا مراد ہے اور اسے کتنے زمروں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔
- ''کنایہ ''کیا ہے اور وہ مجاز سے کس طرح مختلف ہے۔
- ''مجاز مرسل'' کی تعریف اور اس کا محل استعمال نیز اس کی اہم خصوصیات کیا ہیں۔

3.2 علم بیان: تعریف اور اقسام

''علم بیان'' سے مراد وہ علم ہے جو ہم کو یہ سکھاتا ہے کہ ہم ایک ہی مضمون اور مطلب کو مختلف اور زیادہ واضح طریقوں سے کس طرح ادا کر سکیں۔ اس علم سے واقفیت کے نتیجے میں کوئی بھی انسان واضح اور موثر تحریر و تقریر کا ہنر سیکھ لیتا ہے۔ ذیل میں علم بیان کی مختلف تعریفات ملاحظہ ہوں:

1۔''بیان(ع)اسم مذکر (ا)،لغوی معنی صاف بولنا، سخن روشن،واضح، آشکارا (۲)تقریر وگفتگو۔۔۔وہ علم جس میں تشبیہہ، مجاز، استعارہ، کنایہ وغیرہ کی مدد سے ایک معنی کو کئی طریقے سے ادا کر سکیں۔''(فرہنگ آصفیہ، جلد اول، صفحہ 465)

2۔'' بیان(ع،فصاحت زبان آوری۔ظاہر)مذکر ا۔ قول، مقولہ، تقریر، گفتگو۔۔۔وہ علم جس میں تشبیہہ، مجازاستعارے، کنایہ وغیرہ کی مدد سے ایک معنی کو کئی طریق سے ادا کرتے ہیں۔''(نوراللغات، جلد اول، صفحہ 765)

علم بیان کی مندرجہ بالا تعریفوں سے ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ کسی ایک بات یا مضمون کو بہتر سے بہتر طریقے سے ادا کرنے اور اسے لفظی و معنوی خوبیوں سے آراستہ و پیراستہ کرنے کا ہنر ہمیں علم بیان کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔ علم بیان ہمیں سکھاتا ہے کہ ہم کسی بھی لفظ کے حقیقی یا مجازی معنی سے کس طرح واقف ہوں اور انہیں اپنی تحریر و تقریر کو فصیح و بلیغ نیز موثر و دلکش بنانے کے لیے فنکارانہ طور پر کیسے استعمال کریں۔ ماہرین زبان و ادب کا یہ خیال ہے کہ محض الفاظ کے لغوی و حقیقی معنی کی مدد سے تحریر و تقریر میں تنوع اور خوب صورتی نہیں پیدا کی جاسکتی۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہماری تحریر یا گفتگو معنوی لحاظ سے زیادہ وسعت و گہرائی کی حامل ہو تو ہمیں الفاظ کے مجازی معنوں سے بھی کام لینا ہو گا۔ الفاظ کے مجازی معنوں سے کام لینے کے اسی ہنر کو علم بیان سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً کسی انتہائی حسین شخص کو'' چاند کا ٹکڑا'' یا''چودھویں کا چاند''کہنا، کسی بہادر شخص کو شیر، رستم وغیرہ قرار دینا۔ اب یہاں جو الفاظ حسن یا بہادری جیسے اوصاف کے حامل شخص

کے لیے استعمال کیے جارہے ہیں وہ اصلاً نہ تو چاند کا ٹکڑا ہے اور نہ ہی شیر ہے،وہ تو انسان ہے۔وہ رستم بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ رستم نام کا پہلوان اگر کبھی ایران میں تھا بھی تو وہ صدیوں پہلے مر چکا ہے۔صاف ظاہر ہے کہ یہ الفاظ مجازی معنوں میں استعمال کیے گئے ہیں۔آپ نے محسوس کیا کہ نفس مضمون وہی رہنے کے باوجود طرز بیان کی اس جدت نے تاثر و کیفیت میں کس قدر اضافہ کر دیا اور مضمون کی دلکشی کس درجہ بڑھ گئی۔حقیقت و مجاز کا یہی فرق علم بیان کی بنیاد ہے جس پر ہم ذیل میں مختلف حوالوں سے تفصیلی گفتگو کریں گے، لیکن پہلے یہ سمجھ لیں کہ "حقیقت" کیا ہے اور "مجاز" کسے کہتے ہیں؟ فرض کر لیجیے کہ کسی نے کہا یا لکھا کہ "شیر آرہا ہے۔" اور اس کا مقصد جس شیر کے آمد کی اطلاع دینا ہے وہ اصلاً شیر کے نام سے پکارا جانے والا جانور ہو تو یہ "حقیقت" ہے اور یہاں پر لفظ شیر کا کوئی تعلق "علم بیان" سے نہیں ہے، لیکن اگر کہنے یا لکھنے والے کا مقصد اصل شیر کی آمد کی اطلاع دینا نہیں ہے بلکہ وہ تو ایک بہادر اور شجیع شخص کے آنے کی بات کر رہا ہے تو یہ "مجاز" ہے اور اب یہاں لفظ "شیر" حقیقی نہیں مجازی معنوں میں استعمال ہو رہا ہے اس لیے اب یہ جملہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے علم بیان سے تعلق رکھتا ہے۔مجازی نقطۂ نظر سے الفاظ کے استعمال کی چار اہم صورتیں ہیں:

1۔ تشبیہ 2۔ استعارہ 3۔ کنایہ 4۔ مجاز مرسل

3.3 تشبیہ

1۔ "تشبیہ،ع، اسم مونث۔مشابہت، تمثیل (اصطلاح معانی میں ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ کسی صفت میں مشابہ کرنے کو کہتے ہیں۔)اس میں وجہ شبہ ظاہر ہو یا نہ ہو۔جسے تشبیہ دیں اسے مشبہ اور جس سے تشبیہ دیں اسے مشبہ بہ کہتے ہیں۔مشبہ اور مشبہ بہ کو طرفین تشبیہ،اس صفت کو وجہ شبہ اور جو حرف اس پر دلالت کرے اسے حرف شبہ کہتے ہیں۔"

(فرہنگ آصفیہ، جلد اول، صفحہ 615)

2۔ "تشبیہ (ع۔شبہ مادہ) مونث،ایک چیز کو دوسری چیز کے مانند ٹھہرانا جیسے کسی بہادر کو کہنا کہ اپنے زمانے کا رستم ہے۔جسے تشبیہ دیتے ہیں اسے مشبہ اور جس کو تشبیہ دیتے ہیں اس کو مشبہ بہ اور جس امر میں تشبیہ دیتے ہیں اسے وجہ شبہ کہتے ہیں۔"

(نوراللغات، جلد دوم، صفحہ 251)

تشبیہ کی مندرجہ بالا تعریفات پر غور کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ کسی ایک شئے یا شخص کو کسی دوسری شے یا شخص سے کسی مماثلت کی بناء پر ہم پلہ یا اسی کے مانند قرار دینا تشبیہ کہلاتا ہے۔مثال کے طور پر اگر ہم یہ کہیں کہ حامد شیر کی طرح بہادر ہے تو یہاں پر حامد کو اس کی بہادری کے سبب شیر سے تشبیہ دی جارہی ہے جو کہ ایک طاقت ور اور بہادر جانور سمجھا جاتا ہے۔

3.3.1 تشبیہ کے ارکان:

تشبیہ کے اس عمل کو ہم پانچ حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں:

مشبہ: جس شے یا شخص کو تشبیہ دی جاتی ہے اسے "مشبہ" کہتے ہیں۔

مشبہ بہ: جس شے یا شخص سے تشبیہ دی جائے اسے ''مشبہ بہ'' کہتے ہیں۔

وجہ شبہ: جس مماثلت کی بناء پر تشبیہ دی جائے اسے ''وجہ شبہ'' کہتے ہیں۔

حرف شبہ: وہ حرف جس کے ذریعے مشبہ اور مشبہ بہ کو یکساں قرار دیا جائے۔

غرض شبہ: کسی شے یا شخص کے کسی وصف کی جانب دوسروں کو کسی مثال کے ذریعے متوجہ کرنے کی علت جو الفاظ سے ظاہر نہیں ہوتی۔

اب اس جملے پر غور کیجیے:

''غزالہ کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح خوب صورت ہے۔''

اس جملے میں ''غزالہ'' مشبہ، ''چودھویں کا چاند'' مشبہ بہ اور '' خوب صورت'' وجہ شبہ کی حیثیت رکھتے ہیں کیونکہ یہاں غزالہ کے چہرے کو خوب صورت ہونے کی بناء پر چودھویں کے چاند سے تشبیہ دی جارہی ہے، جس کا خوب صورت ہونا مسلم ہے۔ اسی طرح اس جملے میں لفظ ''طرح'' حرف شبہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ جہاں تک غرض شبہ کا تعلق ہے وہ الفاظ میں ظاہر نہیں ہوتی۔ ہم صرف اس قدر کہہ سکتے ہیں کہ تشبیہ کی علت یا غرض یہ ہوتی ہے کہ ہم کسی شے یا شخص کے کسی وصف کی جانب دوسروں کو کسی مثال کے ذریعے متوجہ کر سکیں۔

دوسری مثال ملاحظہ ہو:

نازکی اس کے لب کی کیا کہیے
پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے

یہ شعر خدائے سخن میر تقی میر کا ہے۔ اس میں ''لب'' مشبہ، ''گلاب کی پنکھڑی'' مشبہ بہ اور ''نازکی'' وجہ شبہ ہے۔

3.3.2 تشبیہ کی اقسام:

ایک بات اور ذہن نشین رہے کہ تشبیہ کے اس عمل میں یہ قطعاً ضروری نہیں ہے کہ بیک وقت چاروں ارکان تشبیہ کی پابندی کی جائے۔ ارکان تشبیہ میں حذف و اضافے کے لحاظ سے تشبیہ کی درج ذیل اقسام قرار دی جاتی ہیں۔

تشبیہ مرسل: تشبیہ مرسل وہ تشبیہ ہے جس میں حرف تشبیہ کو واضح طور پر بیان کیا گیا ہو جیسے ''چھوٹا بچہ پھول کی طرح نرم و نازک ہوتا ہے۔'' اس جملے میں حرف تشبیہ ''طرح'' موجود ہے اس لیے یہ تشبیہ مرسل ہے۔

تشبیہ موکد: تشبیہ کی اس قسم میں حرف تشبیہ کو حذف کر دیا جاتا ہے۔ مثال دیکھیے '' ماجد سخاوت میں حاتم ہے۔'' اس جملے میں ''ماجد'' مشبہ، ''حاتم'' مشبہ بہ اور ''سخاوت'' وجہ شبہ کی حیثیت رکھتے ہیں، لیکن ''طرح'' یعنی حرف شبہ محذوف ہے۔

تشبیہ مفصل: تشبیہ کی اس قسم میں ''وجہ شبہ'' واضح طور پر موجود رہتا ہے۔ جیسے یہ جملہ ''حامد بہادری میں شیر کی طرح ہے۔'' اس جملے میں وجہ تشبیہ ''بہادری'' کو واضح طور پر بیان کیا گیا ہے۔

تشبیہ مجمل: کبھی کبھی وجہ شبہ بھی محذوف ہوتی ہے جیسے ''وہ عصر حاضر کا ارسطو قرار دیا جاتا ہے۔'' اس جملے میں ''وہ'' مشبہ ہے اور ''ارسطو'' مشبہ بہ، لیکن وجہ شبہ ''حکمت'' کا ذکر نہیں کیا گیا ہے۔

تشبیہ بلیغ : تشبیہ کی اس قسم میں تشبیہ میں زور پیدا کرنے کے لیے حرف تشبیہ اور وجہ تشبیہ دونوں کو حذف کر دیا جائے گا۔ ایسا کسی بیان میں مزید زور پیدا کرنے کے لیے کیا جاتا ہے۔ جیسے "محبت زندگی ہے۔"

3.4 استعارہ

1۔" استعارہ(ع)اسم مذکر، لغوی معنی مانگ لینا، علم زبان کی اصطلاح میں مجاز کی ایک قسم ہے یعنی جب مضاف الیہ کو مضاف سے کچھ تشبیہ کا لگاؤ ہو تو اس مضاف کو استعارہ کہتے ہیں۔ جیسے لعل لب اور سرو قد، یہاں لب کا لعل سے اور سرو کا قد سے استعارہ ہے۔ اگر مشبہ کو چھوڑ کر مشبہ بہ کا ذکر کر کے مشبہ سے مراد لیں تو لعل بمعنی لب اور سرو بمعنی قد ہو گا۔ اس صورت میں استعارے کی پوری پوری تعریف صادق آئے گی۔" (فرہنگ آصفیہ، جلد اول، صفحہ 170)

2۔"استعارہ(ع بالکسر و کسر سوم ا۔ کسی چیز کا عاریتہ مانگنا، ۲۔ علم بیان کی اصطلاح میں حقیقی اور مجازی معنوں کے درمیان تشبیہ کا علاقہ ہونا۔ یعنی حقیقی معنوں کا لباس عاریۃً مانگ کر مجازی معنوں کو پہنانا) مذکر، اردو میں بیشتر دوسرے معنی میں مستعمل ہے۔"

(نور اللغات، جلد اول، صفحہ 334)

اوپر کی تعریفوں سے معلوم ہوتا ہے کہ استعارہ سے مراد وہ صورت ہے جب "مشبہ بہ" کو عین "مشبہ" قرار دیا جاتا ہے۔ مثلاً اگر یہ کہا جائے کہ " احمد شیر کی طرح بہادر ہے" تو یہ تشبیہ ہے، لیکن اگر ہم یہ کہیں کہ "احمد شیر ہے۔" تو یہ استعارہ ہے کیونکہ یہاں مشبہ بہ "شیر" کو مشبہ "احمد" قرار دیا گیا ہے۔ آپ اسے اس طرح بھی سمجھ سکتے ہیں کہ جب حقیقی اور مجازی معنوں میں تشبیہ کا علاقہ ہو تو ایسے مجاز کو استعارہ کہتے ہیں۔ ایک مثال اور دیکھئے، مرزا دبیر کا مصرعہ ہے:

کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے

اس مصرعہ میں دبیر نے حضرت علی کرم اللہ وجہ کے صاحب زادے حضرت عباس کی میدان جنگ میں آمد کا بیان کیا ہے۔ حضرت عباس بے پناہ شجیع و بہادر تھے، اسی رعایت سے شاعر نے انہیں شیر کہا ہے۔ یہاں بھی استعارتاً مشبہ بہ "شیر" کو مشبہ " حضرت عباس" قرار دیا گیا ہے۔ استعارے کے ضمن میں یہ بات ضرور یاد رکھنی چاہیے کہ استعارے کی صورت میں مشبہ کی جگہ جو لفظ استعمال کیا جاتا ہے وہ "مستعار لہ" کہلاتا ہے۔ اسی طرح مشبہ بہ کو "مستعار منہ" اور وجہ شبہ کو "وجہ جامع" کہتے ہیں۔ استعارے کی چند اور مثالیں ملاحظہ ہوں۔

اسے تشبیہ کا دوں آسرا کیا
وہ خود اک چاند ہے پھر چاند سا کیا

اس شعر میں مستعار لہ محبوب ہے، مستعار منہ چاند اور وجہ جامع خوب صورتی ہے۔ دوسرا شعر۔

کیوں سنے عرض مضطرب مومن
صنم آخر خدا نہیں ہوتا

اس شعر میں مستعارالہ محبوب، مستعار منہ صنم اور وجہ جامع بے حسی وسنگ دلی ہے۔ ایک اور شعر دیکھئے

پلکوں پہ مچل رہے ہیں انجم
کس چاند سے آنکھ جالڑی ہے

اس شعر میں مستعار لہ محبوب یا آنسو، مستعار منہ چاند یا انجم اور وجہ جامع محبوب کا حسن یا آنسوؤں کا چمکنا ہے۔ اب ہم استعارے کی مختلف اقسام سے واقفیت حاصل کریں گے۔ استعارے کو درج ذیل سات حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

3.4.1 وفاقیہ :

جب مستعار منہ اور مستعار الہ' دونوں ایک جگہ جمع ہوں جیسے یہ شعر:

یہ سنتے ہی تھرا گیا گلہ سارا
کہ راعی نے للکار کرجب پکارا

مندرجہ بالا شعر میں پیغمبر کا استعارہ راعی سے کیا ہے اور ایک ہی شخص میں پیغمبر اور راعی کا جمع ہونا ممکن ہے۔ یہاں راعی سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک ہے۔ بچپن میں آپ نے اپنی دایہ جناب حلیمہ سعدیہ کی بکریاں بھی چرائی تھیں۔ اسی رعایت سے شاعر نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو راعی کہا ہے۔ جس طرح ایک راعی ادھر ادھر بھاگتی اپنی بھیڑوں کو آواز دے دے کر ایک جگہ جمع کرتا ہے اور پھر انہیں راستے پر لے آتا ہے، اسی طرح خدا کا پیغمبر بھی اپنی منتشر اور بے راہ قوم کو تلقین وتربیت اور رہ نمائی کے ذریعے نیکی اور بھلائی کی راہ پر لے آتا ہے۔

3.4.2 عنادیہ:

جب مستعار لہ' اور مستعار منہ کا ایک جگہ جمع ہونا ممکن نہ ہو جیسے یہ شعر:

وہاں تو سیم وزر ان کی نظر میں خاک نہیں
یہاں ہم ایسے توانگر کہ گھر میں خاک نہیں

اس شعر میں مفلس کو توانگر سے استعارہ کیا ہے۔ یہاں ''مفلس ''کی حیثیت مستعار لہ' کی ہے جب کہ ''توانگر'' مستعار منہ ہے۔ ظاہر ہے کہ مفلس وتوانگر کا ایک ہی جگہ جمع ہونا ممکن نہیں ہے۔

3.4.3 مطلقہ:

جب مستعار لہ' اور مستعار منہ کی صفات اور مناسبات میں سے کسی کا ذکر نہ ہو۔ مثال کے طور پر میر انیس کا یہ شعر دیکھئے:

بڑھتے تو کبھی صورت شمشیر نہ رکتے
غصے میں کسی طور سے وہ شیر نہ رکتے

شاعر نے شمشیر یعنی تلوار کی صفت "تیزی" اور شیر کی صفت "بہادری" کا ذکر نہیں کیا ہے جب کہ یہی وہ دو صفات و مناسبات ہیں جو مستعار لہ' اور مستعار منہ دونوں میں موجود ہیں، لیکن شعر میں دونوں کا ذکر نہیں کیا گیا ہے۔

3.4.4 مجردہ:

جب صرف مستعار لہ' کے مناسبات کا ذکر ہو۔ جیسے

اقرار ہے صاف آپ کے انکار سے ظاہر
ہے مستی شب نرگس مئے خوار سے ظاہر

اس شعر میں شاعر نے آنکھ کا استعارہ نرگس سے کیا ہے اور پھر آنکھ کی رعایت سے اس کے مناسبات " مستی و مئے خواری" کا ذکر کیا ہے، اس لیے یہاں استعارہ مجردہ ہے۔

3.4.5 مرشحہ:

جب صرف مستعار منہ کی صفات اور مناسبات کا ذکر ہو۔ جیسے یہ شعر

ناناسے چھٹے قبر حسن چھوڑکے آئے
اس دشت کے کانٹوں میں چمن چھوڑکے آئے

اس شعر میں اس واقعہ کا ذکر ہے جب حضرت امام حسین مدینہ سے کربلا کے لیے روانہ ہوئے اور رخصت سے پہلے اپنے نانا یعنی رسول اللہ صلی علیہ وسلم اور اپنے بڑے بھائی سیدنا امام حسن مجتبیٰ کی قبر مبارک پر حاضری دی۔ شاعر نے چمن کا استعارہ وطن کے لیے کیا ہے۔ دشت اور کانٹوں کا ذکر "وطن" یعنی مستعار منہ کی مناسبت سے کیا گیا ہے۔

3.4.6 تصریحہ :

جب صرف مستعار منہ کا ذکر کریں اور مستعار لہ' محذوف ہو تو اس کو استعارہ تصریحہ یا استعارہ بالتصریح کہا جائے گا۔ مثال ملاحظہ ہو:

آفتاب روز مشتاقاں ہو یارب جلوہ گر
شام تنہائی بسر ہوتی ہے کیونکر دیکھیے

اس شعر میں معشوق مستعار لہ ہے، آفتاب مستعار منہ ہے اور جلوہ گری وجہ جامع ہے۔ شعر میں معشوق یعنی مستعار لہ کا ذکر نہیں بلکہ اس کی جگہ مستعار منہ یعنی آفتاب کا ذکر کیا گیا ہے۔ اب چونکہ مستعار لہ یعنی معشوق محذوف ہے اس لیے استعارے کی اس قسم کو استعارہ بالتصریح کہا جائے گا۔

3.4.7 بالکنایہ و تخیلہ:

جب صرف مستعار لہ' کا ذکر کیا جائے اور مستعار منہ محذوف ہو تو ایسی صورت کو استعارہ بالکنایہ کہا جاتا ہے، لیکن اس عمل کے لیے کوئی قاعدہ اختیار کیا جانا ضروری ہے۔ اور وہ قاعدہ یہ ہے کہ مستعار منہ کے مناسبات ولوازمات کو برتا جائے جنہیں استعارۂ تخیلہ کہا جاتا ہے۔ ایک مثال ملاحظہ ہو:

نرگس کی کھلی نہ آنکھ یک چند
سوسن کی زباں خدا نے کی بند

مندرجہ بالا شعر میں نرگس کو دیکھنے والے شخص سے اور سوسن کو بولنے والے شخص سے استعارہ کیا ہے۔ آنکھ اور زبان دونوں کے لوازم مستعار لہ' کے لیے بیان کیے ہیں اور یہی استعارہ بالکنایہ و تخیلہ ہے۔

3.5 مجاز مرسل

1۔ "(ع) اسم مذکر۔ علم بیان میں اس مجاز یا صنعت بیانیہ سے مراد ہے، جس میں سبب سے مسبب، ظرف سے مظروف، کل سے جزو، لازم سے ملزوم، ذکر سے صاحب ذکر مراد لے سکتے ہیں۔" (فرہنگ آصفیہ، جلد سوم، 2047)

2۔ "مجاز (ع) لغوی معنی راہ، ا۔ مذکر۔ حقیقت کے برعکس، جو حقیقت نہ ہو ۲۔ وہ کلمہ جو اپنے حقیقی معنی کے خلاف مستعمل ہو مگر اس کے حقیقی معنی متروک نہ ہو گئے ہوں۔ مجاز مرسل (ف) مذکر علم بیان میں اس مجاز سے مراد ہے، جس میں سبب سے مسبب، ظرف سے مظروف، کل سے جزو وغیرہ مراد لے سکتے ہیں۔ مجازی اور حقیقی معنی میں تشبیہ کا علاقہ ہے تو استعارہ کہیں گے اور اگر تشبیہ کے سوا کوئی اور علاقہ ہو تو مجاز مرسل۔" (نوراللغات، جلد چہارم، صفحہ 495)

مندرجہ بالا تعریفات کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ جب کسی لفظ کو حقیقی معنی کے علاوہ مجازی معنی میں استعمال کیا جائے اور حقیقی و مجازی معنوں میں تشبیہ کے علاوہ کوئی اور تعلق ہو تو اسے "مجاز مرسل" کہتے ہیں۔ تشبیہ کے علاوہ کسی بھی لفظ کے حقیقی و مجازی معنوں میں جو دوسرے علاقے ہو سکتے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

3.5.1 جزو اور کل کا علاقہ:

اگر کسی ایک لفظ کو بطور جزو بول کر کل مراد لیا جائے تو یہاں پر جزو و کل کا علاقہ پایا جائے گا۔ ایک مثال ملاحظہ ہو

طول و عرض اتنا نہ دے تو آشیاں کو عندلیب
مشت پر کے واسطے کافی ہے مشت خار و خس

اس شعر میں جزو یعنی ''مشت پر'' سے مراد کل یعنی عندلیب (بلبل) کا پورا جسم ہے۔ اس طرح جزو کہہ کر کل مراد لیا گیا ہے۔

3.5.2 سبب اور نتیجہ کا تعلق:

جب سبب کا ذکر کر کے مسبب یعنی نتیجہ مراد لیا جائے مثلاً یہ کہا جائے کہ فلاں کا کام میرے ہاتھ میں ہے۔ یہاں ہاتھ میں ہونے سے مراد اختیار میں ہونا ہے کیونکہ اختیار و قابو کو ظاہر کرنے والے اکثر افعال ہاتھ سے ہی انجام پاتے ہیں جیسے کسی کو مارنا یا کسی کے خلاف تحریری کارروائی کرنا وغیرہ۔ سبب اور نتیجے کے تعلق کی ایک اور مثال ملاحظہ ہو۔

عاشق بے دل ترایاں تک توجی سے
سیر تھا زندگی کا اس کو جو دم تھا دم شمشیر تھا

اس شعر میں سیر ہونے سے مراد بیزار ہو جانا ہے۔ یعنی سیری یا آسودگی بیزاری کا سبب ہے۔ اس طرح سیری اور بیزاری میں سبب اور نتیجہ کا تعلق پایا جاتا ہے۔

3.5.3 ظرف اور مظروف کا لگاؤ:

یعنی ظرف بول کر مظروف مراد لیا جائے مثلاً ہم یہ کہیں کہ مجھے بھی ایک گلاس دینا۔ اب یہاں گلاس یعنی ظرف مطلوب نہیں ہے بلکہ اس گلاس میں جو پانی (مظروف) ہے وہ مطلوب ہے۔ ایک اور مثال دیکھئے

ہو شوق پرخلوص تو مانع نہیں حدود
دریا رواں دواں ہے کناروں کے باوجود

دریا محض ظرف ہے اصلاً پانی (مظروف) رواں دواں ہے۔ یہی ظرف اور مظروف کا تعلق ہے۔

3.5.4 حال اور ماضی کا علاقہ:

اگر کسی موجودہ شئے کا نام گذشتہ زمانے کے لحاظ سے لیا جائے تو یہ تعلق ماضی و حال کا علاقہ قرار پائے گا۔ جیسے یہ شعر دیکھیے:

اطاعت اور خداوندی کی جب نسبت بہم ٹھہری
تو اس ناچیز مشت خاک کا پھر امتحاں کیوں ہو

انسان مٹی کا پتلا ہے یعنی اللہ نے اسے مٹی سے بنایا ہے اس طرح مشت خاک ہونا اس کا ماضی ہے، لیکن ''اس ناچیز'' سے مراد زمانۂ حال میں وہ خود ہے۔ اس طرح یہاں حال اور ماضی کا علاقہ ہے۔

3.5.5 حال اور مستقبل کا تعلق:

کسی موجودہ شئے کو اس کی آئندہ یعنی آگے آنے والی صورت یا حالت کی رعایت سے پکارنا مثال کے طور پر علم دین حاصل کرنے

والے کسی طالب علم کو مولوی صاحب کہہ کر مخاطب کرنا حالانکہ اس نے ابھی مولوی کی سند حاصل نہیں کی ہے۔ مثلاً یہ شعر

بیزار ہیں سب ایک بھی شفقت نہیں کرتا
سچ ہے کوئی مردے سے محبت نہیں کرتا

متکلم سے کوئی بھی شفقت و محبت کا معاملہ نہیں رکھتا، چونکہ اسے اب اپنی زندگی سے کوئی امید نہیں ہے اس لیے وہ خود کو مردہ تصور کرتے ہوئے یہ شکوہ کر رہا ہے کہ مردے سے بھلا کون محبت کرے گا یا انسیت رکھے گا۔ ظاہر ہے کہ اس کا مر جانا مستقبل میں ہی متوقع ہو سکتا ہے۔

3.5.6 اصل شئے اور آلہ کا تعلق:

جب کسی شئے کی جگہ اس آلہ کا بیان ہو جس سے وہ شئے عملی صورت لے مثلاً "زبان" کا ذکر کر کے "بات" مراد لینا۔ ظاہر ہے کہ زبان بات کرنے کے آلے یا عضو کی حیثیت رکھتی ہے۔ مثال ملاحظہ ہو

رزق مل جائے گا اے سائل پہ بے جا ہے سوال
دیکھ لے بے شیر طفل بے زباں رہتا نہیں

اب یہاں بچے کے بے زباں ہونے سے مراد یہ نہیں ہے کہ اس کے منہ میں زبان نہیں ہے بلکہ ابھی وہ بات نہیں کر سکتا۔

3.5.7 مقید اور مطلق کا لگاؤ:

کسی خاص شئے کے لیے مقرر یا مقید لفظ بول کر کوئی عام معنی مراد لینا مثال کے طور پر یہ شعر دیکھیے:

نگاہ ناز میں رحم اور قتل دونوں تھے
شہید اس کا جیا گر نہیں مرا بھی نہیں

محبوب کی نگاہ ناز سے گھائل ہو کر مرنے والا مقتول ہو گا، لیکن شاعر نے اس کی جگہ لفظ "شہید" کو برتا ہے جو مقتول کی ایک خاص قسم ہے۔ یعنی مقتول عام قتل کیے جانے والے کو کہتے ہیں جب کہ شہید کسی خاص مقصد کے لیے جان دیتا ہے یا اس کی جان لی جاتی ہے۔

3.6 کنایہ

1۔ "(ع) اسم مذکر ا۔ رمز، ایما، اشارہ، مبہم بات، ۲۔ منشا، مراد، مقصد ۳۔ استعارہ، مجاز ۴۔ صرف: جب کوئی مطلب اختصاراً یا بغرض عدم اظہار ایک یا دو لفظوں میں ادا کیا جائے تو وہ لفظ اسمائے کنایہ کہلاتے ہیں جیسے یوں کیا، ووں کیا، اس طرح بھی سمجھایا اس طرح بھی سمجھایا وغیرہ۔" (فرہنگ آصفیہ، جلد دوم، صفحہ 1657)

2۔ "کنایت۔ کنایہ۔ عربی میں کنایت تھا، فارسیوں نے کنایہ کر لیا۔ پہلا مونث، دوسرا مذکر۔' اشارہ، پوشیدہ بات، مبہم بات (اصطلاح علم

بیان: دیکھو استعارہ بالکنایہ، اشارے سے کنایہ سے کہنا۔"(نوراللغات، جلد چہارم، صفحہ 146)

کنایہ سے مراد ہے مبہم بات یعنی ایسی بات یا قول جو واضح نہ ہو۔ کنایہ میں لفظ کے لغوی اور لازمی دونوں معنی مراد لیے جاسکتے ہیں۔ جیسے آنسو کو آنکھ کا پانی کہیں۔ آنسو آنکھ کا پانی ہی ہوتا ہے۔ ایک مثال اور دیکھیے۔

اس چمن میں طائر کم پر اگر میں ہوں تو کیا
دور ہے صیاد ابھی اور آشیاں نزدیک ہے

یہاں کم پر سے مراد کم اڑسکنے سے ہے، لیکن پروں کی تعداد کا کم ہونا بھی مراد لیں تو جائز ہوگا۔ کنایہ تین طرح کا ہوتا ہے:

(1) مطلوب موصوف (2) مطلوب صفت (3) مطلوب صفت و موصوف

3.6.1 مطلوب موصوف:

جب کنایہ سے ذات موصوف مراد ہو تو وہ کنایہ مطلوب موصوف ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔

کنایہ قریب :

اگر کسی خاص موصوف کی صفت کو بول کر اس سے موصوف مراد ہو تو اس کو کنایہ قریب کہتے ہیں۔ جیسے یہ مصرعہ

دیکھے تو غش کرے ارنی گوئے اوج طور

یہاں "ارنی گوئے اوج طور" یعنی کوہ طور کی چوٹی پر خدا سے ہم کلام ہونے والا۔ اس سے مراد حضرت موسیٰ کی ذات ہے۔ ایک اور مثال ملاحظہ ہو۔

غیرت ماہ کہے خسر و انجم مجھ کو
نام کو داغ ہوں کیا جانتے ہو تم مجھ کو

اس شعر میں سورج کو "خسر و انجم" یعنی ستاروں کا بادشاہ کہہ کر کنایہ کیا ہے۔ اسی طرح "آب آتشیں" یا "آتش سیال" کہہ کر شراب کو اور "جلاد فلک" کہہ کر مریخ کو مراد لیتے ہیں۔

کنایہ بعید :

اگر بحیثیت مجموعی چند اوصاف سے کوئی ایک موصوف مراد ہو تو ایسی صورت کو "کنایہ بعید" کہتے ہیں۔ جیسے۔

ساقی وہ دے ہمیں کہ ہوں جس سے سب بہم
عقل میں آب و آتش و خورشید ایک جا

اس شعر میں شراب کو آب، آتش اور خورشید قرار دیا ہے۔ اس طرح یہاں تین صفات سے محض ایک موصوف مراد ہے، اس لیے یہ کنایہ بعید کہا جائے گا۔

3.6.2 مطلوب صفت:

جب کنایہ سے محض صفت مطلوب ہو تو اس کو "کنایہ مطلوب صفت" کہتے ہیں۔ اس کی تین قسمیں ہیں۔

ایماواشارہ :

اگر لازم بول کر صفت مقصودہ جلد سمجھ میں آجائے تو اسے "ایماواشارہ" قرار دیا جائے گا۔ جیسے

کیا ہم نے لے لیا تھا الجھتا جو کوئی خار
جوں گل ہم اس جہاں سے دامن کشاں چلے

"دامن کشاں" سے دامن بچاتے ہوئے گزرنا فوراً سمجھ میں آجاتا ہے۔ کوئی ابہام پیدا نہیں ہوتا، ایک اور مثال دیکھئے

دامن سنبھال۔ باندھ کمر۔ آستیں چڑھا

"دامن سنبھال"، "باندھ کمر"، "آستیں چڑھا" ان تینوں آمادہ اور تیار ہونا مراد ہے جو فوراً سمجھ میں آجاتا ہے۔

رمز:

اس میں بھی لازم بول کر ملزوم صفت ہی مراد لی جاتی ہے، لیکن اس کو سمجھنے میں کسی قدر تامل اور غور کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اس کے علاوہ کنایہ درمیانی واسطہ بھی رکھتا ہو جیسے لمبے قد والا کہہ کر کوئی احمق شخص مراد لیا جائے کیونکہ کہا جاتا ہے کہ لمبے آدمی کی عقل گھٹنوں میں ہوتی ہے۔ مثال ملاحظہ ہو۔

خاک اڑتی تھی منہ پر حرم شیر خدا کے
تھا چیں بہ جبیں فرش بھی جھونکوں سے ہوا کے

فرش کا "چیں بہ جبیں" ہونا کنایہ ہے سمٹ جانے سے۔ ایک اور مثال دیکھیے:

ہمارے جامعہ کہن سے مے کی بو نہ گئی

پرانے لباس سے شراب کی بو نہ جانا کنایہ ہے بڑھاپے تک شراب نوشی کا۔ درج ذیل شعر بھی رمز کی اچھی مثال ہے۔

ہونٹوں پہ تھے دانت سر پہ تھے ہاتھ
سر سے جو ہٹے جگر پہ تھے ہاتھ

ہونٹوں کو دانت سے دبانا نیز سر اور جگر پر ہاتھ رکھنا کنایہ ہے بے حد پچھتانے اور رنجیدہ ہونے کا۔

تلویح :

یہ کنایہ کی وہ صورت ہے جب لازم سے ملزوم مراد لینے تک کئی واسطے ہوں اور کسی ایک لازم سے جو ملزوم مطلوب ہو وہ درمیان میں کئی واسطے رکھتا ہو۔ مثال کے طور پر اگر یہ کہا جائے کہ

''حضرت نظام الدین اولیاء کے گھر سے روزآنہ کئی ٹوکرے پیاز کے چھلکے باہر پھینکے جاتے تھے۔''

مندرجہ بالا عبارت سے درج ذیل نتائج اخذ کیے جاسکتے ہیں۔ پہلا یہ کہ حضرت کے یہاں پیاز بہت کھائی جاتی تھی۔ دوسرا یہ کہ ان کے یہاں کھانا کافی مقدار میں پکتا تھا۔ تیسرا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ لوگوں کی کثیر تعداد ان کے یہاں کھانا کھاتی تھی۔ آخری اور لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ حضرت نظام الدین اولیاء بے حد سخی تھے۔ اس طرح کثیر تعداد میں پیاز کا خرچ اور حضرت نظام الدین اولیاء کے سخی و مہماں نواز ہونے کے درمیان کئی واسطے موجود ہیں اس لیے یہ کنایہ کی تلویحی صورت ہے۔ ایک مثال اور ملاحظہ ہو۔

کیا ہو بیان داد و دہش ایسے شخص کا
بندھواتا ہو جو توڑوں کا منہ کچے سوت سے

اس شعر میں بھی سخاوت کے کئی لوازمات بیان ہوئے ہیں۔ کچے سوت سے تھیلیوں کے منہ باندھنا پہلا درجہ، منہ کچے سوت سے اس لیے باندھنا کہ کھولنے میں زیادہ وقت نہ لگے اور دقت نہ ہو۔ تھیلیوں کے منہ کھلنے میں زیادہ وقت اس لیے نہ لگے کہ حاجت مند کی ضرورت بغیر کسی تاخیر کے پوری کی جاسکے۔ آخری اور لازمی نتیجہ یہ کہ شخص مذکور بے انتہا سخی ہے۔

3.6.3 مطلوب صفت و موصوف:

کنایہ کی ایک صورت یہ بھی ہوتی ہے کہ کبھی موصوف کے لیے صفت کا اثبات کیا جاتا ہے اور کبھی موصوف سے صفت کی نفی بھی مقصود ہوتی ہے۔ پہلے دیکھیے موصوف کے لیے صفت کے اثبات کی ایک مثال۔

عشق کے ہیں مقام سخت کڑے
تجھ کو بھرنے پڑیں گے کچے گھڑے

کچے گھڑے بھرنے سے مراد ہے انتہائی مشکل کام انجام دینا چونکہ کچے گھڑے میں پانی بھرنا انتہائی مشکل بلکہ تقریباً ناممکن ہے۔ اس شعر میں یہ صفت عشق کی قرار دی گئی ہے یعنی ''کار محال'' انجام دینا صفت ہے اور اس صفت کا حامل یعنی موصوف عشق ہے۔ اس طرح یہ موصوف کے لیے صفت کا اثبات ہے۔ اب موصوف سے صفت کی نفی کی بھی ایک مثال ملاحظہ ہو۔

غرض عیب کیجے بیاں اپنے کیا کیا
کہ بگڑا ہوا یاں ہے آوے کا آوا

آوے کا آوا بگڑنا یعنی کسی کام کا بھی درست نہ ہونا۔ اس شعر میں آوے کا آوا بگڑنے سے مراد ہے شاعر (متکلم) میں کسی بھی خوبی کا نہ پایا جانا۔ اس طرح یہاں موصوف کے لیے صفت کی نفی پائی جاتی ہے۔

کنایہ کی مندرجہ بالا تین اقسام کے علاوہ ایک اور قسم بھی ہے جسے ''تعریض'' کہا جاتا ہے۔ جب کنایہ موصوف کے ذکر سے خالی ہو تو اسے ''تعریض'' کہتے ہیں۔ درج ذیل شعر ''تعریض'' کی ایک اچھی مثال ہے۔

وہ حسن کی دنیا ہے جل جاؤ کہ مرجاؤ

واں کس کو ہے پروائے بربادیِ پروانہ

یہاں ''حسن کی دنیا'' سے مراد محبوب ہے جس کا ذکر نہیں کیا گیا۔ دوسرے مصرعہ میں بھی ''کس کو'' سے مراد بھی محبوب ہے، لیکن اس کا ذکر نہیں۔ اس طرح اس شعر میں ''تعریض'' پائی جاتی ہے۔

3.7 اکتسابی نتائج

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ نے درج ذیل باتیں سیکھیں:

- ''علم بیان'' سے مراد وہ علم ہے جو ہم کو یہ سکھاتا ہے کہ ہم ایک ہی مضمون اور مطلب کو مختلف اور زیادہ واضح طریقوں سے کس طرح ادا کر سکیں۔
- علم بیان سے ہم کسی بھی لفظ کے حقیقی یا مجازی معنی سے واقف ہوتے ہیں اور انہیں فنکارانہ طور پر استعمال کرنا سیکھتے ہیں۔
- لفظ کے حقیقی معنی سے مراد یہ ہے کہ وہ اصل معنی میں اس کا استعمال کیا جائے۔ جیسے ''شیر آرہا ہے'' کہا جائے اور مراد اصل شیر ہی ہو۔
- لفظ کے مجازی معنی مراد لینے کا مطلب ہے کہ اگر یہ کہا جائے کہ ''شیر آرہا ہے'' تو یہ کسی بہادر اور طاقت ور شخص کے آنے کی خبر ہو۔
- مجازی نقطۂ نظر سے الفاظ کے استعمال کی چار اہم صورتیں ہیں تشبیہ، استعارہ، کنایہ اور مجاز مرسل۔
- کسی ایک شئے یا شخص کو کسی دوسری شے یا شخص سے کسی مماثلت کی بناء پر ہم پلہ یا اسی کے مانند قرار دینا تشبیہ کہلاتا ہے۔
- تشبیہ کے تین ارکان ہوتے ہیں۔ مشبہ، مشبہ بہ اور وجہ شبہ۔ جس شے یا شخص کو تشبیہ دی جاتی ہے اسے ''مشبہ'' کہتے ہیں۔
- جس شے یا شخص سے تشبیہ دی جائے اسے ''مشبہ بہ'' کہتے ہیں۔ جس مماثلت کی بناء پر تشبیہ دی جائے اسے ''وجہ شبہ'' کہتے ہیں۔
- ارکان تشبیہ میں حذف و اضافے کے لحاظ سے تشبیہ کی درج ذیل اقسام قرار دی جاتی ہیں۔ تشبیہ مرسل، تشبیہ موکد، تشبیہ مفصل، تشبیہ مجمل، تشبیہ بلیغ۔
- استعارہ سے مراد وہ صورت ہے جب ''مشبہ بہ'' کو عین ''مشبہ'' قرار دیا جاتا ہے۔ مثلاً اگر ہم یہ کہیں کہ ''احمد شیر ہے۔'' تو یہ استعارہ ہے۔
- استعارے کو درج ذیل سات حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے: وفاقیہ، عنادیہ، مطلقہ، مجردہ، مرشحہ، تصریحہ، بالکنایہ و تخیلہ۔
- کنایہ میں لفظ کے لغوی اور لازمی دونوں معنی مراد لیے جاسکتے ہیں۔ جیسے آنسو کو آنکھ کا پانی کہیں۔ آنسو آنکھ کا پانی ہی ہوتا ہے۔
- کنایہ تین طرح کا ہوتا ہے۔ پہلا مطلوب موصوف، دوسرا مطلوب صفت اور تیسرا مطلوب صفت و موصوف۔
- جب کنایہ سے ذات موصوف مراد ہو تو وہ کنایہ مطلوب موصوف ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک کنایہ قریب دوسری کنایہ بعید۔

- جب کنایہ سے محض صفت مطلوب ہو تو اس کو "کنایہ مطلوب صفت" کہتے ہیں۔
- کنایہ مطلوب صفت کی تین قسمیں ہیں۔ پہلی ایماواشارہ، دوسری رمز اور تیسری تلویح۔
- کنایہ مطلوب صفت وموصوف میں کبھی موصوف کے لیے صفت کا اثبات کیا جاتا ہے اور کبھی موصوف سے صفت کی نفی بھی مقصود ہوتی ہے۔
- کنایہ کی ایک اور قسم بھی ہے جسے "تعریض" کہا جاتا ہے۔ جب کنایہ موصوف کے ذکر سے خالی ہو تو اسے "تعریض" کہتے ہیں۔
- جب کسی لفظ کو حقیقی کے علاوہ مجازی معنی میں استعمال کیا جائے اور حقیقی ومجازی معنوں میں تشبیہ کے علاوہ کوئی اور تعلق ہو تو اسے "مجاز مرسل" کہتے ہیں۔
- مجاز مرسل کی اقسام: جزو اور کل کا علاقہ، سبب اور نتیجہ کا تعلق، ظرف اور مظروف کا لگاؤ، حال اور ماضی کا علاقہ، حال اور مستقبل کا تعلق، اصل شئے اور آلہ کا تعلق اور مقید و مطلق کا تعلق۔

3.8 کلیدی الفاظ

الفاظ	:	معنی	الفاظ	:	معنی
موکد	:	تاکید کرنے والا	شجیع	:	شجاعت کا حامل، بہادر
مفصل	:	تفصیل کا حامل	رن	:	میدان جنگ
مجمل	:	مختصر، خلاصہ	راعی	:	نگہبان، چرواہا، مویشی چرانے والا
بلیغ	:	بلاغت کا حامل	نرگس	:	انسانی آنکھ سے مشابہ ایک پھول
تعریفات	:	تعریف کی جمع	فصیح	:	فصاحت کا حامل
مبہم	:	جو واضح نہ ہو، گول مول، مشکوک	تنوع	:	الگ الگ طرح کا
مریخ	:	نظام شمسی کا ایک سیارہ (venus)	مجاز	:	حقیقت کے برعکس، جو حقیقی نہ ہو
کار محال	:	مشکل کام	مماثلت	:	شباہت، یکسانیت
جزو	:	ٹکڑا، کسی بڑی شئے کا ایک چھوٹا حصہ	سوسن	:	پھول جس کی پتیوں کو زبان سے تشبیہ دی جاتی ہے۔

3.9 نمونۂ امتحانی سوالات

معروضی سوالات

1۔ تشبیہ کے کتنے ارکان ہوتے ہیں؟

(A) دو (B) تین (C) چار (D) پانچ

2۔ لفظ "کنایہ مذکر ہے یا مونث؟

(A)مذکر (B)مؤنث (C)مصدر (D)مشتق

3۔ استعارے کے لغوی معنی کیا ہیں؟

(A)ادھار لینا (B)واپس کرنا (C)مانگ لینا (D) عطا کرنا

4۔ خسر وانجم سے کیا مراد ہے؟

(A)کتابہ (B)استعارہ (C)تشبیہ (D)مجاز مرسل

5۔ راعی کے کیا معنی ہیں؟

(A)چرواہا (B)بادشاہ (C)وزیر (D)سپاہی

مختصر جوابات کے حامل سوالات

1۔ تشبیہ کسے کہتے ہیں؟ 2۔ استعارہ کسے کہتے ہیں؟ 3۔ کنایہ کسے کہتے ہیں؟

4۔ مجاز مرسل کسے کہتے ہیں؟ 5۔ "مستعار منہ" سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟

طویل جوابات کے حامل سوالات

1۔ تشبیہ کی تعریف بیان کرتے ہوئے اس کے تینوں ارکان پر روشنی ڈالیے۔

2۔ استعارہ اور تشبیہ میں کیا فرق ہے؟ معہ امثال واضح کیجیے۔

3۔ کنایہ کی مختلف صورتیں کیا ہیں؟ تفصیل سے گفتگو کیجیے۔

3.10 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1۔ حدائق البلاغت : مولانا محمد مبین

2۔ درس البلاغت : شمس الرحمٰن فاروقی

3۔ علم البلاغت : پروفیسر عبد المجید

4۔ آئینہ بلاغت : مرزا محمد عسکری

معروضی سوالات کے جوابات

(D)-1 (A)-2 (C)-3 (A)-4 (A)-5

اکائی4 : صنائع وبدائع:

حسن تعلیل، مراعات النظیر، تضاد، تکرار، تجنیس، تلمیح، لف ونشر، ایہام

اکائی کے اجزا

4.0		تمہید
4.1		مقاصد
4.2		صنائع وبدائع
	4.2.1	علم بدیع کی تعریف
	4.2.2	اردو شاعری میں صنائع بدائع کی اہمیت
	4.2.3	علم بدیع کی اہم اصناف کا مطالعہ
4.3		اکتسابی نتائج
4.4		کلیدی الفاظ
4.5		نمونہ امتحانی سوالات
4.6		تجویز کردہ اکتسابی مواد

4.0 تمہید

اردو ادب میں فصاحت وبلاغت کے تعلق سے لوگوں میں یہ غلط فہمی بہت ہو چکی ہے کہ فصاحت اور بلاغت کا تعلق صرف شاعری سے ہے۔ دونوں کا ذکر ایک ساتھ کیا جاتا ہے لیکن دونوں کا قربت کے باوجود دائرہ ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ فصاحت زبان سے بحث کرتی ہے جب کہ بلاغت کا تعلق معنی سے ہے۔ آسان لفظوں میں کہا جائے تو ہم اپنے روزمرہ میں جس طرح کی بات چیت کرتے ہیں اصل میں وہی فصاحت ہے۔ اصطلاحی تعریف میں' ایسا کلام جو روزمرہ کے مطابق ہو، نامانوس اور غریب لفظوں سے پاک ہو، جس میں لغت اور قواعد کے اصولوں سے کوئی انحراف نہ کیا گیا ہو، جس میں وزن اور اضافتوں کی بھرمار نہ ہو، جس کے معنی میں تضاد اور تناسب نہ پایا جائے اور بے جا تکرار سے پاک ہو، ایسے کلام کو فصیح کلام کہا جاتا ہے۔ 'کلام کی تاثیر اور اس کی موزوں ترسیل میں فصاحت ایک اہم کردار ادا کرتی ہے۔ ظاہر ہے کہ روزمرہ کی عام زبان فصیح ہوتی ہے تو اس سے مخالف زبان کو غیر فصیح کہا جائے گا۔ یعنی جس کو سمجھنے میں مشکل پیش آئے وہ غیر فصیح ہے، پھر چاہے اس کی کسی قدر بھی وضاحت کی جائے، کم ہے۔

صاحب بحر الفصاحت نے بلاغت کی بہت آسان تعریف کی ہے۔ 'کلام بلیغ وہ ہے جو فصیح نہ ہو۔ 'بلاغت وہ ہے کہ کلام مقتضائے حالات کے مطابق ہو، ہر قسم کے عیب سے پاک ہو اور پڑھنے اور سننے والوں پر وہی اثر مرتب کرے جو اس نے لکھنے والے یا بولنے والے پر کیا۔ بلیغ کلام میں الفاظ کا محل استعمال، بیان کی مناسب وضاحت، عدم طوالت اور موقعے کی مناسبت کا اہم کردار ہوتا ہے جو کلام ان اوصاف سے خالی ہو وہ بلیغ نہیں ہو گا۔ بلاغت کے لیے فصاحت ضروری ہے، اس لیے جو کلام بلیغ ہو گا وہ لازماً فصیح بھی ہو گا اس کے برعکس فصیح کلام کو بلاغت کی ضرورت نہیں۔

علم بیان میں چوں کہ حقیقت کو مجاز کے رنگ میں پیش کیا جاتا ہے اس لیے معانی کی مؤثر ترسیل کے لیے فصاحت و بلاغت کی ضرورت ہوتی ہے۔ علم بیان کا بنیادی مقصد کلام کو دل کش اور رنگین بنانا ہے، اس لیے اس میں اظہار خیال کے مختلف ذرائع کو کام میں لاتا ہے اور ایسے تمام عوامل سے گہرا تعلق رکھتا ہے جو کلام کی جاذبیت کو بڑھانے میں معاون ہوں۔ فصاحت اور بلاغت سے چوں کہ کلام بہت سی خوبیوں سے مالامال ہوتا ہے، اس لیے علم بیان میں فصاحت اور بلاغت کی اہمیت یقینی ہے۔

علم بدیع بھی بلاغت کا ایک شعبہ ہے۔ اس میں کلام میں استعمال ہونے والے لفظ اور معنی سے پیدا ہونے والے حسن پر اظہار خیال کیا جاتا ہے۔ اس کی دو قسمیں صنائع لفظی اور صنائع معنوی ہیں۔ صنائع کلام کی زیبائش کے لیے تیار کیے جانے والے زیور ہیں۔ اس اکائی میں ہم علم بدیع کے تحت آنے والے صنائع لفظی اور صنائع معنوی کا مطالعہ کریں گے۔

شمس الرحمن فاروقی کے نزدیک بلاغت کسی علم کا نہیں بلکہ تصور کا نام ہے۔ ایک ایسی صورت حال کہ جب کلام میں الفاظ معمولی زبان کے مقابلے زیادہ زور اور خوبی کے حامل ہوں۔ اس کے لغوی معنی 'تیز زبانی' کے ہیں۔ (ص 11 درس بلاغت)

4.1 مقاصد

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- فصاحت اور بلاغت کی تعریف کر سکیں۔
- صنائع لفظی اور صنائع معنوی کی اقسام کو مثالوں کے ساتھ سمجھ سکیں۔
- صنائع بدائع کی اہمیت اور اس کے بے جا استعمال سے ہونے والے نقصانات کے بارے میں سمجھ سکیں۔
- اردو شعرا میں صنائع اور بدائع کے نمونے تلاش کر کے پیش کر سکیں۔

4.2 صنائع و بدائع

4.2.1 علم بدیع کی تعریف

بدیع عربی زبان کے لفظ 'بدع' سے مشتق ہے جس کے معنی نئی چیز ایجاد کرنے، انوکھا، بے مثال، عجیب، نئی بات پیدا کرنے کے ہیں۔ اس کے لیے نادر، نیا اور بے مثال جیسے الفاظ بھی آتے ہیں۔ اس کی جمع کو بدائع کہا جاتا ہے۔

پہلے یہ لفظ کلاسیکی دور کے بعد سے تعلق رکھنے والے متاخرین شعرا کے ایک خاص اسلوب بیان کے لیے بولا جاتا تھا۔ بعد میں محاسن کلام اور ادب کی ممتاز خصوصیات کے لیے اس کو استعمال کیا جانے لگا۔ یعنی کلام میں حسن پیدا کرنے میں جو چیز بھی معاون ہوتی اس کو بدیع کہا جانے لگا لیکن بعد کے علمانے اس کا تعلق پیش کش کی خوبصورتی سے کر دیا۔

یہ علم کلام کے حسن و جمال، زیب و زینت اور اس کی خوبیوں سے بحث کرتا ہے اور اس مقصد کے لیے اپنائے گئے طریقوں کو محسنات کہا جاتا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ کلام میں ان کا استعمال ضرور کیا جائے لیکن اتنا ضرور ہے کہ اس کے استعمال سے کلام کا حسن دوبالا ہو جاتا ہے۔

دور جاہلیت میں عربوں کے یہاں نحو کی ایجاد سے قبل بھی شعرا کے یہاں بدیع کا استعمال ملتا ہے لیکن یہ ان ناموں سے نہیں جانتے تھے جو اب جانتے ہیں۔ اسلام کی آمد کے بعد بدیع کی سب سے پہلی جھلک عباسی دور کے شعرا کے یہاں دیکھنے کو ملتی ہے۔ جاحظ نے اپنی کتاب البیان والتبیین میں عربوں کو بدیع کا موجد بتایا ہے اور اس پر فخر کیا ہے۔ اسی وجہ سے عربی زبان ہر زبان پر حاوی ہے۔

علم بدیع کا موجد ابن معتز کو قرار دیا جاتا ہے۔ اس نے اس موضوع پر ایک کتاب 'کتاب البدیع' کے عنوان سے لکھی۔ اس سلسلے کو قدامہ بن جعفر نے 'نقد الشعرا' لکھ کر آگے بڑھایا۔ اس نے اس کتاب میں بدیع کی کل 9 اقسام دریافت کیں۔ اس کے بعد ابو ہلال عسکری 'کتاب الصناعتین الکتابۃ والشعر' میں بدیع کی 27 اقسام زیر بحث لائے۔ اس کے علاوہ زمخشری اور اسامہ بن منقذ کی کتاب 'البدیع في نقد الشعر' میں بدیع کے ابواب 95 تک پہنچ گئے ہیں۔ اردو میں 'درس بلاغت' میں علم بدیع کی کل 57 (صنائع لفظی کی 52 اور صنائع معنوی کی 57) قسمیں دریافت ہوئی ہیں لیکن ان میں سے بہت سی صنعتوں کے ایک سے زائد نام ہیں جن کو غیر ضروری طور پر علاحدہ علاحدہ لکھا گیا ہے مثلاً تضاد اور طباق، ایہام اور توریہ۔ صنعت تنسیق الصفات صنائع لفظی اور صنائع معنوی دونوں میں شامل ہے۔ عربی کے بعض مصنفین نے علم بدیع کو منظوم بھی کیا۔ علی اربلی نے 36 اشعار پر مشتمل ایک قصیدہ لکھا جس کے ہر شعر میں بدیع کی ایک قسم کا ذکر ہے۔ اس کے بعد بدیع کو منظوم کرنے کا سلسلہ چل پڑا اور بہت سے شعرا نے اسے منظوم لکھا۔ اردو میں مرزا داغ دہلوی نے 'پند نامہ' میں اپنے شاگردوں کو نصیحت کرتے ہوئے جو نظم لکھی ہے اس میں چند اشعار بیان و بدیع سے متعلق ہیں:

استعارہ جو مزے کا ہو مزے کی تشبیہ　　اس میں اک لطف ہے اس کہنے کا پھر کیا کہنا
لف و نشر آئے مرتب وہ بہت اچھا ہے　　اور ہو غیر مرتب تو نہیں کچھ بے جا
شعر میں آئے جو ایہام کسی موقع پر　　کیفیت اس میں بھی ہے وہ بھی نہایت اچھا

4.2.2 اردو شاعری میں صنائع و بدائع کی اہمیت

بدائع بدیع کی جمع ہے اور بدیع ایک علم ہے جو بلاغت کے شعبے کے تحت آتا ہے۔ صنائع کوئی علم نہیں ہے بلکہ صنعت کی جمع ہے جس کا کام شاعری کو زیور سے آراستہ کرنا ہے۔ لہٰذا جب صنائع کی بات کی جائے گی تو اس میں صرف علم بدیع کے علاوہ علم بیان بھی شامل ہو گا۔ شعر میں صنائع بدائع کی ضرورت (شرط) کے تئیں حالی لکھتے ہیں کہ:

"شعر کی اصلی خوبی یہ ہے کہ نیچرل ہو، مؤثر ہو، لفظاً معناً سانچے میں ڈھلا ہو۔ اگر اس کے ساتھ کوئی لفظی رعایت بھی اس میں پائی جائے تو اور بہتر ہے، ورنہ اس کی کچھ ضرورت نہیں۔"

بدیع اور بیان یا دیگر صنعتوں کا تعلق صرف شاعری سے ہی نہیں نثر سے بھی ہے۔ خاص طور سے تشبیہ اور استعارے کا استعمال نثر میں کثرت سے ملتا ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

- 'یہ بچہ خوبصورت ہے' کے بجائے 'یہ بچہ پھول کی طرح ہے۔
- 'چمن میں ہوا چل رہی ہے۔' کے بجائے 'باغ میں ہوا اٹکھیلیاں کر رہی ہے۔'
- 'بہار کے موسم میں درخت ہرے بھرے ہو گئے۔' کے بجائے 'بہار نے درختوں کو دھانی لباس پہنا دیا ہے۔'
- 'امجد کے دانت بہت سفید ہیں۔' کے بجائے 'امجد کے دانت موتیوں کی طرح ہیں۔'
- 'وہ پورے دن کام میں مصروف رہتا ہے۔' کے بجائے 'وہ صبح سے شام تک کام میں مصروف رہتا ہے۔'

اگر چہ بات کو سیدھی طرح فصیح الفاظ میں بیان کرنے سے بھی مطلب ادا ہو جاتا ہے لیکن علم بیان کے ذریعے اس میں ایک پیکر بنتا ہے اور بدیع کے ذریعے اس کے حسن میں اضافہ ہوتا ہے۔ علم بدیع میں محاسن کلام سے بحث کی جاتی ہے اس لیے اس کی سب سے بنیادی اہمیت تو یہی ہے کہ اگر یہ صنائع نہ ہوتیں تو ہم کلام میں محسنات کو کس طرح تلاش کر پاتے۔ اس لیے معلوم ہوا کہ علم بدیع کلام میں حسن کی تلاش اور نشاندہی کا ایک آلہ ہے۔ جس طرح جوہری ہیرے اور پتھر کے درمیان فرق کر کے دونوں کو الگ کرتا ہے اسی طرح علم بلاغت کے ماہرین صنائع لفظی اور صنائع معنوی کے ذریعے پیدا ہونے والے حسن سے ہمیں واقف کراتے ہیں۔ ذیل میں چند مثالیں پیش کی جا رہی ہیں جن میں ایک ہی موضوع سے متعلق دو اشعار درج کیے گئے ہیں۔ پہلے شعر میں معمولی صنائع کا استعمال ہوا ہے اور دوسرے شعر میں بدیع کے تحت صنعتوں کے استعمال نے شعر کے حسن میں اضافہ کر دیا ہے۔ مثلاً میر کا ایک مشہور زمانہ شعر ملاحظہ ہو:

کل پاؤں ایک کاسۂ سر پر جو آ گیا
یکسر وہ استخوان شکستوں سے چور تھا
کہنے لگا کہ دیکھ کے چل راہ بے خبر
میں بھی کبھو کسو کا سر پر غرور تھا

اس شعر میں میر انسان کو غرور سے بچنے کی تلقین کر رہے ہیں۔ اس کے لیے انہوں نے ایک انسانی ڈھانچے کا سہارا لیا ہے جس کے ذریعے وہ راہ گیر کو بتانا چاہ رہے ہیں کہ انسان کو گھمنڈ نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ آنے والے وقت میں وہ بھی کسی کی ٹھوکروں میں آئے گا۔ اس شعر کا مضمون بہترین ہے لیکن انداز بیان سادہ ہے اور بات کو دو مصرعوں میں نامکمل ہونے کی وجہ سے قطعہ بند شعر کا سہارا لینا پڑا۔ اسی مضمون کو سودا ایک قصیدے میں اس طرح بیان کرتے ہیں:

عجب ناداں ہیں وہ جن کو ہے عُجبِ تاجِ سلطانی
فلک بال ہما کو پل میں سونپے ہے مگس رانی

اس شعر میں سوداؔ نے اسی مضمون کو دو مصرعوں میں ادا کیا ہے۔ اس میں صنعت تجنیس کا استعمال ہوا ہے۔ پہلے مصرعے میں دو لفظ 'ع ج ب' کے مرکب سے بنتے ہیں جن میں پہلا لفظ 'عَجَب' عجیب کے معنی میں اور دوسرا لفظ 'عُجبِ' گھمنڈ کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ شعر کے معنی تقریباً وہی ہیں جو میرؔ کے یہاں تھے، لیکن صنعت تجنیس کے استعمال سے شعر کے حسن میں اضافہ ہوا ہے۔

ایک اور مثال ملاحظہ فرمائیں:

اک گلی تھی جب اس سے ہم نکلے
ایسے نکلے کہ جیسے دم نکلے

کسی جگہ سے 'نکلنا' رسوائی کی علامت ہوتی ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ عاشق کبھی بھی معشوق کی گلی کو چھوڑ کر نہیں جانا چاہتا، وہ وہیں جینا چاہتا ہے اور وہیں مرنے کی تمنا رکھتا ہے۔ لیکن جب رسوائی اور ذلت نے ساتھ نہ چھوڑا تو آخر کار اسے محبوب کی گلی سے نکلنا پڑا اور وہ ایسے نکلا جیسے دم نکلتا ہو۔ ظاہر ہے عاشق کے لیے یہی اس کی موت کا دن ہے، اس لیے گلی سے نکلنے کو دم نکلنے سے مشابہ قرار دیا ہے۔ 'نکلنے' کے اس مضمون کو غالب نے اس طرح بیان کیا ہے:

نکلنا خلد سے آدم کا سنتے آئے ہیں لیکن
بہت بے آبرو ہو کر ترے کوچے سے ہم نکلے

اس شعر میں بھی وہی مضمون ہے جو جون ایلیا کے شعر میں ہے، لیکن یہ شعر اس بنیاد پر پہلے شعر سے زیادہ بہتر ہے کہ اس میں لفظ 'نکلنا' کو ایک تلمیحی واقعے سے جوڑ کر پیش کیا گیا ہے جس کی وجہ سے اس میں حسن پیدا ہو گیا ہے اور یہ حسن علم بدیع کی صنعت کے استعمال کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔

میر تقی میر نے دہلی کے اجڑنے اور بسنے کی داستان کو مختلف اشعار میں شعری جامہ پہنایا ہے۔ وہ ایک شعر میں کہتے ہیں کہ:

دل وہ نگر نہیں کہ پھر آباد ہو سکے
پچھتاؤ گے سنو ہو یہ بستی اُجاڑ کر

اس شعر کا مضمون سامنے کا ہے۔ الفاظ کا انتخاب بھی بہترین ہے۔ 'آباد' اور 'اُجاڑ' میں تضاد ہے لیکن یہ تضاد بہت ہلکا اور معمولی سطح کا ہے۔ اسی مضمون کو فانی بدایونی نے اس طرح ادا کیا ہے:

دل کا اجڑنا سہل سہی بسنا سہل نہیں ظالم
بستی بسنا کھیل نہیں بستے بستے بستی ہے

مذکورہ بالا شعر میر کے مقابلے میں زیادہ بلیغ ہے۔ اس میں علم بدیع کی ایک نہیں بلکہ تین تین صنائع کا استعمال ہوا ہے۔ اجڑنا اور بسنا میں تضاد ہے۔ بسنا، بستی، بستے میں اشتقاق ہے۔ دوسرے مصرعے میں پہلا لفظ بستی بطور اسم اور دوسری بار بطور فعل استعمال ہوا ہے جس کی وجہ سے اس میں صنعت تجنیس بھی ہے۔ شعر کی یہ تمام خوبیاں ہمیں علم بدیع کی معلوم صنعتوں کی وجہ سے ہی دریافت ہوتی ہیں۔

جون ایلیا اپنے ایک شعر میں کہتے ہیں:

اپنے سر اک بلا تو لینی تھی
میں نے وہ زلف اپنے سر لی ہے

اس شعر میں زلف کو بلا سے تشبیہ دی گئی ہے۔ چونکہ بلا میں وہ تمام صفات موجود ہیں جو زلف میں ہوتی ہیں۔ مثلاً سیاہی، طوالت اور پریشانی۔ اس لیے یہ شعر بیان کے لحاظ سے بہت عمدہ ہے۔ سر کی مناسبت سے زلف اور سر پر بلا آنے کا محاورہ بھی خوب استعمال ہوا ہے تاہم اس شعر کے مضمون میں کوئی گیرائی اور گہرائی نظر نہیں آتی۔ زلف کی تعریف میں غالبؔ کا یہ شعر دیکھیں:

کٹے تو شب کہیں کاٹے تو سانپ کہلاوے
کوئی بتاؤ کہ وہ زلف خم بہ خم کیا ہے

اس شعر میں شب اور زلف میں مناسبت (مراعاۃ النظیر) ہے، زلف اور سانپ میں سیاہی اور خم کی مناسبت ہے۔ معشوق کو عاشق سے بہتر کوئی نہیں سمجھ سکتا لیکن پھر بھی عاشق کا دوسروں سے پوچھنا کہ 'وہ زلف خم بہ خم کیا ہے' تجاہل کی مثال ہے۔ اس لیے محاسن کلام کے استعمال نے شعر کی معنویت میں مزید اضافہ کر دیا ہے۔

ہر سکے کے دو پہلو ہوتے ہیں۔ ایک پہلو اس کے کار آمد ہونے کے شواہد فراہم کرتا ہے تو دوسرا اس کے کمزور پہلوؤں کی نشاندہی کرتا ہے۔ شاعری میں صنائع کا کثیر اور شدید استعمال اس کے حسن کو پامال کر دیتا ہے۔ اگر صنائع برائے صنائع ہو اور مضمون کچھ نہ ہو تو شعر ہوتا ہے لیکن اچھا شعر نہیں ہوتا۔ فطری انداز میں آجائے تو ٹھیک ہے۔ گلزار نسیم میں صنعت کی وجہ سے بعض مقامات پر عبارت مبہم ہو گئی ہے۔ صنعت منقوطہ اور غیر منقوطہ کی صنعتیں تو قصداً لکھی جاتی ہیں۔ اس سے شعر کی زبان متاثر ہوتی ہے اور مطلب ٹھیک سے ادا نہیں ہوتا یا بہت ناقص ہو جاتا ہے۔ معنویت کے اعتبار سے بھی بہت پست ہو جاتا ہے۔ مطلب تو ادا ہو جاتا ہے مثلاً طاہر اور اطہر کے ساتھ معرکہ آرا کا لفظ صرف اس لیے لانا کہ غیر منقوط لفظ مقصود ہے، کسی طرح بجا نہیں۔ یا پھر تصنع اور بناوٹ کی وجہ سے شعر میں الفاظ کا غیر فطری استعمال جو روزمرہ سے بہت دور ہے:

سر کو مر جائیں نہ ٹکرا کے اسیران قفس
اتنا بھی شور نہیں برق خزاں لازم ہے

اس میں 'سر کو مر جائیں نہ ٹکرا کے' کے بجائے 'سر کو ٹکرا کے نہ مر جائیں' ہونا چاہیے۔ غالبؔ کا ایک شعر ملاحظہ ہو:

نقش ناز بت طناز بہ آغوش رقیب
پائے طاؤس پئے خامۂ مانی مانگے

مذکورہ بالا شعر بلاغت سے پُر ہے لیکن اس میں الفاظ کا استعمال فطری نہیں معلوم ہوتا۔ آمد سے زیادہ یہاں پر آورد کی آمیزش معلوم ہوتی ہے۔ شعر کے سامنے کے معنی یہ ہیں کہ ناز و ادا والا زندہ دل محبوب رقیب کے آغوش میں ہے اور اس کی تصویر بنائی (نقش) جانی

ہے۔اس کے لیے جو خامہ استعمال ہو رہا وہ مور کے پاؤں سے بنا ہے۔ چونکہ مور کے پاؤں بد صورت ہوتے ہیں اور معشوق رقیب کے آغوش میں ہے اس لیے اس کے بھدے ہونے کی وجہ سے تصویر بھی بھدی ہو جا رہی ہے۔ یہاں بات تھوڑی سی ہے مگر اس کو الجھا کر پیش کیا گیا ہے۔ الطاف حسین حالی نے مقدمہ شعر و شاعری میں ایک شعر درج کیا ہے جو اس طرح ہے:

گدا سمجھ کے وہ چپ تھا مری جو شامت آئی
اٹھا اور اٹھ کے قدم میں نے پاسباں کے لیے

اس شعر میں جتنی باتیں کہی جا رہی ہیں اس سے زیادہ ان کہی ہیں۔ شعر کے معنی یہ ہیں کہ وہ گدا سمجھ کے خاموش تھا لیکن میری شامت آئی اور میں نے اٹھ کر پاسبان کے قدم پکڑ لیے۔ اصل معنی وہ ہیں جن کا شعر میں کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ عاشق اپنے معشوق کے دیدار کی خاطر اس کی گزر گاہ میں بیٹھا ہوا تھا۔ دربان نے سمجھا کہ یہ فقیر ہے اس لیے اس نے اسے کچھ نہیں کہا۔ لیکن جب انتظار کی شدت بڑھتی گئی اور صبر کا دامن عاشق کے ہاتھ سے جاتا رہا اور اس نے اٹھ کر دربار کے پاؤں پکڑ لیے، مراد یہ کہ اس کے سامنے گڑگڑانے لگا۔ تب اسے معلوم ہوا کہ یہ کوئی فقیر نہیں بلکہ عاشق ہے اور پھر عاشق کی شامت آگئی اور کی مرمت کر دی گئی۔

مجموعی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ صنائع و بدائع شاعری کے زیور ہیں۔ جس طرح جوہری اپنی دکان میں مختلف طرح کے زیور کو سجاتا ہے کہ اس کی زیبائش میں اضافہ ہو، اسی طرح بدیع کی صنعتیں شعر کو سجا دیتی ہیں۔ اگر کسی شعر میں فطری طور پر کوئی صنعت آجاتی ہے تو شعر کا حسن بڑھ جاتا ہے لیکن قصداً استعمال میں لائی جانے والی صنعت شعر کو بوجھل بنا دیتی ہے اور اس سے شعر کا حسن مجروح ہو جاتا ہے۔ صعنت عاطلہ، صنعت منقوطہ اور صنعت غیر منقوطہ اسی طرح کی شاعری کی مثال ہیں اور جو لوگ ان صنعتوں میں زبردستی طبع آزمائی کرتے ہیں انہوں نے ادب کے نقصان کا دقیقہ اٹھا رکھا ہے۔

4.2.3 علم بدیع کی اہم اصناف کا مطالعہ

حسن تعلیل:

تعلیل کے لفظی معنی علت یا وجہ کے ہیں۔ اس کے علاوہ اس کو کسی چیز کا سبب بیان کرنے، دلیل کے ساتھ بیان کرنے اور اس کے صحیح ہونے کی وجہ ثابت کرنا بھی تعلیل کہلاتا ہے۔ اس کے ساتھ لفظ 'حسن' کے شامل ہو جانے سے یہ علم بدیع کی ایک ایسی صنعت کی طرف اشارہ کرتا ہے جس میں کسی شعر میں شاعر یا مصنف ایسی چیز کو کسی چیز کی علت فرض کرتا ہے جو درحقیقت اس کی علت نہیں ہوتی۔ لیکن اس سے شعر میں ایک حسن پیدا ہوتا ہے اور ایک شاعرانہ جدت بھی پیدا ہوتی ہے، حسن تعلیل کہلاتا ہے۔ یعنی کسی کام کی ایسی وجہ بتانا جو اس کی حقیقی وجہ نہ ہو لیکن اس سے انکار بھی نہ کیا جا سکتا ہو۔ مثلاً موسم بہار میں زمین میں نمی کے باعث پھولوں سبزہ زار کا پیدا ہونا اور اس میں گل کھلنا فطری ہے لیکن شاعر کی نظر میں یہ پھول اس لیے کھل رہے ہیں کہ اس خاک میں خوبصورت لوگ دفن ہیں۔ سودا، غالب اور ناسخ تینوں نے اپنے اپنے انداز میں اس مضمون کو باندھا ہے۔

کس کے ہیں زیر زمیں دیدۂ نم ناک ہنوز جا بجا سوت ہیں پانی کے تا خاک ہنوز

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں

ہو گئے دفن ہزاروں ہی گل اندام اِس میں
اِس لیے خاک سے ہوتے ہیں گلستاں پیدا

زیر زمیں سے آتا ہے جو گل سو زر بکف
قاروں نے راستے میں لٹایا خزانہ کیا

روش کی صفائی پہ بے اختیار
گلِ اشرفی نے کیا زر نثار

روشن جمال یار سے ہے انجمن تمام
دہکا ہوا ہے آتش گل سے چمن تمام

کیا اس کو بے قراری یاد آگئی ہماری
مل مل کے بجلیوں سے ابرِ بہار رویا

نہیں معلوم ان نے خاک میں کیا کیا ملا دیکھا
کہ چشم نقش پا سے تا عدم نکلی نہ حیرانی

مراعاۃ النظیر:

اس کو تناسب، توفیق اور تلقین بھی کہتے ہیں (بحر الفصاحت، ص 56)۔ کلام میں ایسے الفاظ لائے جائیں جن کے معنی میں ایک دوسرے سے منابست ہو لیکن یہ مناسبت تضاد کی نہ ہو اور ان کی تعداد دو یا دو سے زیادہ ہو۔

اتارا تن سے سر تو نے تو اس شامت کے مارے کا
ارے احسان مانوں سر سے میں تنکا اتارے کا

اس شعر میں سر اور تن میں مناسبت ہے۔

یاں کے سپید و سیہ میں ہم کو دخل جو ہے سو اتنا ہے
رات کو رو رو صبح کیا یا دن کو جوں توں شام کیا

مندرجہ بالا شعر میں رات اور شام کو سیہ سے، صبح و دن کو سپید سے مناسبت ہے۔ ذیل میں مراعاۃ النظیر کی مزید مثالیں پیش کر کے متناسب الفاظ کی نشاندہی کی جارہی ہے تاکہ طلبا کو اس صنعت کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

جلا کے مشعل جاں ہم جنوں صفات چلے
جو گھر کو **آگ** لگائے وہ میرے ساتھ چلے

محتسب کی خیر اونچا ہے اسی کے فیض سے
رند کا، **ساقی** کا، مے کا، **خم** کا، **پیمانے** کا نام

کبھی **شاخ** و **سبزہ برگ** پر، کبھی **غنچہ** و **گل** و **خار** پر
میں **چمن** میں چاہے جہاں رہوں، مرا حق ہے فصل **بہار** پر

یہ نرم و ناتواں **موجیں** خودی کا راز کیا جانیں
قدم لیتے ہیں **طوفاں**، عظمت **ساحل** سمجھتے ہیں

وہ اٹھا **شور** ماتم آخری دیدار **میت** پر
اب اٹھا چاہتی ہے **نعش** فانی دیکھتے جاؤ

خط بڑھا، **کاکل** بڑھے، **زلفیں** بڑھیں، **گیسو** بڑھے
حسن کی سرکار میں جتنے بڑھے **ہندو** بڑھے

تضاد:

اس کو طباق، تطبیق بھی کہا جاتا ہے۔ جب شعر میں دو اسم یا دو فعل ایسے لائے جائیں جن کے معنی ایک دوسرے کے مخالف ہوں۔ مثلاً دن رات، سفید کالا، پستی بلندی، زندگی موت، خاص عام، تو اس میں صنعت تضاد ہوتا ہے۔ ذیل میں دی گئی مثالوں میں متضاد الفاظ کی نشاندہی کی جارہی ہے:

رات **دن** گردش میں ہیں ساتھ آسماں ہو رہے گا کچھ کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا

عمل سے زندگی بنتی ہے **جنت** بھی **جہنم** بھی یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ **نوری** ہے نہ **ناری** ہے

صدق اور **کذب** پہ ہر نکتے کے ہے شرط نظر کور کیا جانے یہ **سچا** ہے کہ **جھوٹا** گوہر

ادائے **خاص** سے غالب ہوا ہے نکتہ سرا صلائے **عام** ہے یاران نکتہ داں کے لیے

ارض و **سما** کہاں تری وسعت کو پا سکے میرا ہی دل ہے وہ کہ جہاں تو سما سکے

ترے کوچے اس بہانے مجھے **دن** سے **رات** کرنا کبھی **اِس** سے بات کرنا، کبھی **اُس** سے بات کرنا

امیر شہر کو اس سے غرض کیا **فقیر** شہر کب سے در بہ در ہے

ایک سب **آگ**، ایک سب **پانی** دیدہ و دل عذاب ہیں دونوں

تکرار:

شعر میں ایک ہی لفظ ایک سے زائد مرتبہ آئے اور اس کے معنی میں کوئی تبدیلی نہ ہو۔ ایک ہی لفظ کے مکرر ہونے کی شرط نہیں ہے۔ بعض اوقات شاعر ایک ہی شعر میں کئی الفاظ کی تکرار کرتا ہے۔ مثال دیکھیے:

عالم عالم عشق و جنوں ہے دنیا دنیا وحشت ہے
دریا دریا روتا ہوں میں صحرا صحرا وحشت ہے

روتے روتے کون سویا خاک پر
ہنستے ہنستے کس کا جھولا رہ گیا

تجنیس:

کلام میں دو ایسے الفاظ استعمال ہوں جو تلفظ اور املا دونوں میں مشابہت رکھتے ہوں لیکن ان کے معنی الگ الگ ہوں۔ تجنیس کہلاتا ہے۔ تجنیس کی کل آٹھ اقسام ہیں۔

تجنیس تام: تلفظ ایک ہو مگر معنی الگ ہوں۔

سب سہیں گے ہم اگر لاکھ برائی ہوگی پر کہیں آنکھ **لڑائی** تو **لڑائی** ہوگی

چمن میں کس نے الٰہی نگاہ **ڈالی** آج کہ کھلاتی ہے گل کی ہر ایک **ڈالی** آج

آدمی کہتے ہیں جس کو ایک پتلا کل کا ہے پھر کہاں **کل** اس کو گر **کل** ہو ذرا بگڑی ہوئی

دل کا اجڑنا سہل سہی، بسنا سہل نہیں ظالم **بستی** بسنا کھیل نہیں، بستے بستے **بستی** ہے

تجنیس مرکب: حروف اور تلفظ کے لحاظ سے یکساں ہوں لیکن ایک مرکب ہو اور دوسرا مفرد ہو۔

کہا جی نے مجھے یہ ہجر کی رات
یقیں ہے صبح تک دے گی نہ جینے

تجنیس مرفوع: جب ایک لفظ دوسرے لفظ سے مل کر یکساں معلوم ہو۔

غل تھا کہ اب مصالحت جسم و جاں نہیں
لو تیغ برق دم کا قدم درمیاں نہیں

تجنیس خطی: الفاظ صورت میں یکساں ہوں لیکن حرکات و سکنات اور نقطوں میں فرق ہو۔ مثلاً شراب اور سراب، مزاج اور مزاح، عبرت اور غیرت، خلوت اور جلوت وغیرہ۔

کس طرح جان دینے کے اقرار سے پھروں
میری زبان ہے یہ تمہاری زباں نہیں

تجنیس محرف: حروف یکساں ہوں لیکن حرکات و سکنات میں فرق ہو۔

یہ بھی نہ پوچھا کسی صیاد نے کون رہا کون رہا ہو گیا
گلے سے لگتے ہی جتنے گلے تھے بھول گئے وگرنہ یاد تھیں ہم کو شکایتیں کیا کیا
عجب ناداں ہیں وہ جن کو ہے عجب تاج سلطانی فلک بال ہما کو پل میں سونپے ہے مگس رانی

تجنیس ناقص وزائد: کلام میں دو ایسے لفظ آئیں جن میں کسی ایک لفظ کا پہلا یا آخری حرف زائد ہو۔ جیسے بات اور نبات، کوہ اور شکوہ

زور و **زر** کچھ نہ تھا تو بار میرؔ
کس بھروسے پر آشنائی کی
عشق کی یہ نمود **پیہم** کیا
ہم نہیں تم اگر تو پھر **ہم** کیا

تجنیس مضارع: جب کلام میں دو ایسے الفاظ لائے جائیں جو پڑھنے میں یکساں (ہال اور حال، لعل اور لال، بعد اور باد) معلوم ہوں مگر ان کے لکھنے میں فرق ہو۔

تجنیس قلب: جب حروف کی ترتیب ایک دوسرے کے برعکس ہو یا یوں کہیں کہ حروف کی ترتیب بدلی ہوئی ہو۔ مثلاً کمال اور کلام، شراب اور بارش وغیرہ۔

تلمیح:

جب شعر میں کسی مشہور قصے یا واقعے کی طرف اشارہ کیا جائے۔ تو اس میں صنعت تلمیح ہوتی ہے۔ اردو میں اس قبیل کے اشعار کی بہتات ہے بلکہ موسیٰ، عیسیٰ، مریم، خضر، ابراہیم، آدم، فرعون، نمرود، جیسے پیغمبروں پر اتنے اشعار ہیں کہ مکمل کتاب ترتیب دی جاسکتی ہے۔ چند اشعار بطور مثال ملاحظہ ہوں:

شمشیر بکف دیکھ کے حیدر کے پسر کو — جبریل لرزتے ہیں سمیٹے ہوئے پر کو

مر گیا صدمہ یک جنبش لب سے غالب — ناتوانی سے حریف دم **عیسیٰ** نہ ہوا

بے خطر کود پڑا آتش **نمرود** میں عشق — عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

بے دم ہوئے بیمار دوا کیوں نہیں کرتے — تم اچھے **مسیحا** ہو شفا کیوں نہیں دیتے

آگ ہے، **اولاد ابراہیم** ہے، **نمرود** ہے — کیا کسی کو پھر کسی کا امتحاں مقصود ہے

ابن مریم ہوا کرے کوئی — میرے دکھ کی دوا کرے کوئی

کیا وہ **نمرود** کی خدائی تھی — بندگی میں مرا بھلا نہ ہوا

نکلنا خلد سے **آدم** کا سنتے آئے تھے لیکن — بڑے بے آبرو ہو کر ترے کوچے سے ہم نکلے

مزے جو موت کے عاشق بیاں کبھو کرتے — **مسیح** و **خضر** بھی مرنے کی آرزو کرتے

اڑ بیٹھے کیا سمجھ کے بھلا طور پر **کلیم** — طاقت ہو دید کی تو تمنا کرے کوئی

لف و نشر:

لف کے معنی لپیٹنے اور نشر کے معنی کھولنے یا پھیلانے کے ہیں۔ اصطلاح میں اس سے مراد ایسی صنعت ہے جس کے ایک مصرعے میں چند الفاظ ایسے لائے جائیں جن کی مناسبت دوسرے مصرعے میں مستعمل الفاظ سے ہو۔ مثلاً ایک مصرعے میں آتش، آب اور خاک لایا جائے اور اسی ترتیب میں دوسرے مصرعے میں سوز، نم اور آرام لایا جائے تو یہ صنعت لف و نشر کہلائے گی۔ اس کی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک لف و نشر مرتب اور دوسری لف و نشر غیر مرتب۔ اوپر بیان کی گئی مثال میں چونکہ پہلے مصرعے کے الفاظ دوسرے مصرعے کے ساتھ اسی ترتیب میں ہیں اس لیے لف و نشر مرتب ہو گا۔ لیکن اگر اسی ترتیب کو بدل دیا جائے تو لف و نشر غیر مرتب کہلائے گا۔

ایماں[1] مجھے روکے ہے تو کھینچے ہے مجھے **کفر**[2]

کعبہ[1] مرے پیچھے ہے، **کلیسا**[2] مرے آگے

پہلے مصرعے میں **ایمان** اور **کفر** لفظ کا استعمال کیا گیا ہے اور دوسرے مصرعے میں **کعبہ** اور **کلیسا**۔ چونکہ اہل ایمان کے نزدیک کعبہ ایمان سے متعلق ہے اور کلیسا کفر سے، اس لیے یہاں لف و نشر مرتب ہو گا۔

ایک اور مثال دیکھیے:

رخ[1] و جبین[2] و مژہ[3] نیز چشم[4] و ابرو[5] کو
سنان[3] و بدر[1] و مہ[2] و نرگس[4] و چشمہ ہلال[5] لکھا

اس شعر میں رخ کی مناسبت سے بدر (پورا چاند)، جبین کی مناسبت سے مہ (چاند)، مژہ کی مناسبت سے سنان (نیزہ، برچھی)، چشم کی مناسبت سے نرگس، اور ابرو کی مناسبت سے چشمہ استعمال کیا گیا ہے۔ دونوں مصرعوں میں الفاظ کی ترتیب یکساں نہیں ہے اس لیے یہاں لف و نشر غیر مرتب ہو گا۔

لف و نشر مرتب کی یہ مثال دیکھیے:

ترے رخسار[1] و قد[2] و چشم[3] کے ہیں عاشق زار
گل[1] جدا، سرو[2] جدا، نرگس[3] بیمار جدا

اس شعر کے پہلے مصرعے میں رخسار، قد اور چشم آیا ہے اور دوسرے مصرعے میں انہیں الفاظ کی مناسبت سے ترتیب وار گل، سر اور نرگس آیا ہے، لہٰذا یہاں لف و نشر مرتب ہو گا۔ ذیل میں کچھ مثالیں پیش کی جا رہی ہیں جن میں الفاظ کی نشاندہی کی جا رہی ہے جن کے ذریعے ان اشعار میں لف و نشر مرتب اور غیر مرتب کی شناخت کی جا سکتی ہے۔

ابرو[1] نے مژہ[2] نے نگہ[3] یار نے یارو — بے رتبہ کیا تیغ[1] کو خنجر[2] کو سناں[3] کو
یہ جفائے غم کا چارہ[1]، وہ نجات دل کا عالم[2] — ترا حسن دست عیسیٰ[1]، تری یاد روئے مریم[2]
چھٹتی[1] تھیں، بھاگی[2] جاتی تھیں، گرتے[3] تھے خاک پر — قبضوں[1] سے تیغیں، جسم[2] سے روحیں، تنوں[3] سے سر
شرمندہ ہے زلف[1] و رخ[2] و قامت[3] سے چمن میں — گل[2] برگ تر و سرو[3] سہی سنبل[1] سیراب
کبھی جو زلف[1] اٹھا دے تو منہ[2] نظر آوے — اسی امید پہ گزری ہے صبح[2] و شام[1] ہمیں

ایہام:

صنائع معنوی میں شعر کے معنوی حسن کو اہمیت دی جاتی ہے۔ ایہام عربی زبان کا لفظ ہے جس کے لغوی معنی "وہم میں ڈالنا" ہے۔ انگریزی میں اسے Ambiguity کہا جاتا ہے۔ عربی میں اسے توریہ کہا جاتا ہے۔ توریہ کے معنی چھپانا یا پوشیدہ رکھنے کے ہیں۔ شعر میں کسی لفظ کے دو معنی ہوتے ہیں۔ ایک معنی قریب کے اور دوسرے دور کے، اور شاعر کی مراد دور کے معنی سے ہوتی ہے۔

کلام میں کوئی ایسا لفظ لایا جائے جسے پڑھ کر پڑھنے والا وہم میں پڑ جائے۔ ایسے لفظ کے عموماً دو معنی ہوتے ہیں۔ ایک معنی قریب کے اور دوسرے معنی بعید کے۔ معنی قریب کی طرف عقل فوراً چلی جاتی ہے لیکن شاعر کی مراد معنی قریب سے نہیں ہوتی بلکہ معنی بعید سے ہوتی ہے۔ معنی قریب آسانی سے سمجھ میں آجاتا ہے لیکن معنی بعید کے لیے غور کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔

بستے ہیں ترے سایہ میں سب شیخ و برہمن
آباد تجھی سے تو ہے گھر دیر و حرم کا

اس شعر میں لفظ 'سایہ' کے دو معنی ہیں۔ پہلا سایہ وہ جسے Shadow کہا جاتا ہے اور وہ دھوپ یا روشنی میں نکلنے سے زمین پر پڑتا ہے۔ یہی معنی قاری کے ذہن میں سب سے پہلے آتا ہے۔ سایہ کا دوسرے معنی تحفظ اور نگہ بانی کے ہیں لیکن قاری کا ذہن اس کی طرف کچھ دیر بعد جاتا ہے اور شاعر کی مراد اسی معنی سے ہوتی ہے۔ لہٰذا اس شعر میں صنعت ایہام ہے۔ ایک اور مثال دیکھیں:

لام نستعلیق کا ہے اس بُتِ خوش خط کی زلف
ہم تو کافر ہوں اگر بندے نہ ہوں **اسلام** کے

اس شعر میں لفظ 'اسلام' میں ایہام ہے۔ چونکہ شعر کے پہلے مصرعے میں بُت اور دوسرے مصرعے میں کافر کا لفظ آیا ہے لہٰذا اس سے قاری کا ذہن فوراً **مذہب اسلام** کی جانب جاتا ہے۔ یہ معنی قریب ہے۔ معنی بعید کے لیے ہمیں اسلام کو دو حصوں (اس لام) میں لکھنا ہو گا۔ یعنی شاعر پہلے مصرعے میں نستعلق کے جس لام کی بات کر رہا ہے، محبوب کی زلف اس کی طرح ہے۔ اس لیے اس شعر میں لفظ اسلام میں ایہام ہے۔

زلف لہرا کے وہ جس دم سر بازار چلا
ہر طرف شور اٹھا مار چلا **مار** چلا

اس شعر میں لفظ 'مار' کے دو معنی ہیں۔ ایک معنی مارنے (نقصان پہنچانے) کا ہے اور دوسرا معنی سانپ کا ہے۔ چونکہ محبوب کا زلف لہرا کر بازار میں سے نکلنا عاشقوں کا قتل کرنے جیسا ہے۔ اس لیے دوسرے مصرعے میں لفظ 'مار' آیا ہے جس سے قاری کا ذہن قتل کی طرف جاتا ہے لیکن شاعر کی مراد سانپ سے ہے نہ کہ مارنے سے۔ ذیل میں ایہام کی کچھ اور مثالیں دی جا رہی ہیں جن میں ایہام کے لفظ کی نشاندہی کی جا رہی ہے۔ ان کے ذریعے صنعت ایہام کو سمجھنے میں مزید آسانی پیدا ہو گی۔

شب جو مسجد میں جا پھنسے مومن — رات کاٹی **خدا-خدا** کر کے
دل سرد ہو گیا ہے جب سے پڑا ہے **پالا** — ہم جانتے تھے خوباں گرمی کریں گے ہم سے
ہجر میں گھل گھل کے آدھا ہو گیا — لے مسیحا اب میں **موسا** ہو گیا
مجنوں کی پیاس کو بجھاتی — لیلیٰ کوئی **باولی** نہیں تھی
کیوں کٹاتا ہے زلف کو پیارے — دیکھ تجھ کو کہیں گے سب **مُو رکھ**
خدا حافظ ہے اپنا دیکھیے کیسے گزرتی ہے — بڑی مشکل ہے راہِ عشق کا دشوار ہو جانا

4.5 اکتسابی نتائج

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ نے درج ذیل باتیں سیکھیں:

- بدیع عربی زبان کے لفظ 'بدع' سے مشتق ہے جس کے معنی نئی چیز ایجاد کرنے، انوکھا، بے مثال، عجیب، نئی بات پیدا کرنے کے ہیں۔

- علم بدیع کلام کے حسن و جمال، زیب و زینت اور اس کی خوبیوں سے بحث کرتا ہے اور اس مقصد کے لیے اپنائے گئے طریقوں کو محسنات کہا جاتا ہے۔
- علم بدیع کا موجد ابن معتز کو قرار دیا جاتا ہے۔ اس نے اس موضوع پر ایک کتاب 'کتاب البدیع' کے عنوان سے لکھی۔
- اس کے بعد قدامہ بن جعفر نے بدیع کی آٹھ اقسام دریافت کیں۔ ابو ہلال عسکری 'کتاب الصناعتین الکتابۃ والشعر' میں بدیع کی 27 اقسام زیر بحث لائے۔ اور پھر زمخشری اور اسامہ بن منقذ نے اس کو 95 ابواب تک پہنچا دیا۔ عربی میں نہ صرف نثر میں بلکہ نظم میں لکھے جانے کی روایت بھی ملتی ہے۔
- اردو میں مرزا داغ دہلوی نے 'پند نامہ' میں اپنے شاگروں کو نصیحت کرتے ہوئے جو نظم لکھی ہے اس کے دو اشعار میں علم بدیع کی کو زیر بحث لایا گیا ہے۔
- علم بدیع کی دو قسمیں صنائع لفظی اور صنائع معنوی ہیں۔ صنائع معنوی میں شعر کے معنوی حسن کو اور صنائع لفظی میں شعر میں لفظ سے پیدا ہونے والے حسن کو اہمیت دی جاتی ہے۔ ان دونوں کی مزید بہت سی قسمیں ہیں۔
- جب کلام میں کوئی ایسا لفظ لایا جائے جس کے دو معنی ہوں، ایک معنی قریب کا اور دوسرا معنی بعید کا۔ قاری کا ذہن فوراً معنی قریب کی طرف جائے لیکن شاعر کی مراد دور کے معنی سے ہو تو اسے ایہام کہتے ہیں۔
- ایہام عربی زبان کا لفظ ہے جس کے لغوی معنی "وہم میں ڈالنا" ہے۔ انگریزی میں اسے Ambiguity کہا جاتا ہے۔ عربی میں اسے توریہ کہا جاتا ہے۔
- مبالغہ کو انگریزی میں Hyperbole کہا جاتا ہے۔ مبالغہ کے معنی سخت کوشش کرنا، زیادتی کرنا، بات کو بڑھا چڑھا کر بیان کرنے کے ہیں۔ عقل اور عادت کے لحاظ سے اس کی تین صورتیں تبلیغ، اغراق اور غلو ہیں۔
- جب کسی شعر میں دو یا دو سے زیادہ الفاظ ایسے لائے جائیں جن میں معنوی طور پر ایک تعلق یا مناسبت ہو، لیکن یہ مناسبت تضاد کی نہ ہو، تو اسے مراعاۃ النظیر یا تناسب کہا جاتا ہے۔
- جب شعر میں استعمال کیے گئے دو یا دو سے زیادہ الفاظ کا ماخذ یا مادہ ایک ہی ہو۔ معنی کی سطح پر بھی یکسانیات ہو۔ ایک ہی مصدر سے مشتق ہونے کی وجہ سے بعض اوقات اس میں صوتی ہم آہنگی بھی ہوتی ہے۔ جیسے عمل، عامل، تعمیل، معمول، اعمال وغیرہ۔
- جب کسی شعر میں دو ایسے الفاظ لائے جائیں جن میں معنی کی سطح پر ضد ہو (مثلاً دن رات، صبح شام، دوست دشمن، جاگنا سونا)، یعنی دونوں ایک دوسرے کے الٹے ہوں تو اسے صنعت تضاد کہا جاتا ہے۔
- حسن تعلیل کی تعریف یہ ہے کہ کسی شعر میں کسی کام کی ایسی وجہ بتانا جو اس کی حقیقی وجہ نہ ہو لیکن اس سے کلام میں ایک شاعرانہ حسن پیدا ہوتا ہو۔ مثلاً صبح میں آفتاب کا نکلنا فطری ہے لیکن شاعر کی نظر میں وہ میری محبوب کا دیدار کرنا چاہتا ہے۔ چونکہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ صبح کو سورج نکلا لیکن اس کی جو وجہ شاعر نے بیان کی ہے اس سے شعر میں حسن پیدا ہوتا ہے۔
- جب کسی شعر میں دو ایسے لفظ لائے جائیں جو ہیئت کے اعتبار سے یکساں ہوں لیکن دونوں کے معنی الگ الگ ہوں تو اسے تجنیس کہا

جاتا ہے۔

- تلمیح میں کسی مشہور قصے، حادثے یا واقعے کی جانب اشارہ کیا جاتا ہے۔ اردو میں اس قبیل کے اشعار کی بہتات ہے بلکہ موسیٰ، عیسیٰ، مریم، خضر، ابراہیم، آدم، فرعون، نمرود، جیسے پیغمبروں پر اتنے اشعار ہیں کہ مکمل کتاب ترتیب دی جاسکتی ہے۔

4.6 کلیدی الفاظ

الفاظ	:	**معنی**	::	**الفاظ**	:	**معنی**
انحراف	:	بچنا، منحرف ہونا	::	تناسب	:	مناسبت، تعلق
بلیغ	:	بلاغت سے متعلق	::	فصیح	:	فصاحت سے متعلق
ترسیل	:	روانہ کرنا، پہنچانا	::	مؤثر	:	جس میں اثر ہو
صنائع	:	صنعت کی جمع	::	بعید	:	دور کا
پندنامہ	:	نصیحت نامہ	::	سایہ	:	پرچھائیں
تنقیص	:	نقائص، کمی	::	قیاس	:	اندازہ لگانا

4.7 نمونہ امتحانی سوالات

معروضی سوالات

1۔ علم بدیع کے موجد کون ہیں؟

(A) ابن المعتز (B) ابوہلال عسکری (C) قدامہ بن جعفر (D) زمخشری

2۔ جب کسی شعر میں دو اسم یا فعل ایسے ہوں جن کے معنی متضاد ہوں تو اسے کون سی صنعت کہیں گے؟

(A) تکرار (B) تجنیس (C) مراۃ النظیر (D) تضاد

3۔ جب شعر میں کسی تاریخی واقعے کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے تو اس میں کون سی صنعت ہوتی ہے؟

(A) لف ونشر (B) تجنیس (C) تلمیح (D) حسن تعلیل

4۔ ایہام کے لغوی معنی کیا ہیں؟

(A) وہم میں ڈالنا (B) صحیح بات بتانا (C) جھوٹ بولنا (D) رونا

5۔ 'پندنامہ' کا خالق کون ہے؟

(A) مرزا غالب (B) مرزا داغ (C) مرزا دبیر (D) ذوق

مختصر جوابات کے حامل سوالات

1۔ بلاغت سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟ لکھیے۔

2۔ فصاحت کی تعریف کیجیے اور مثالیں دیجیے۔

3۔ حسن تعلیل کو مثالوں کے ساتھ سمجھائیے۔

4۔ بدیع کی تعریف بیان کیجیے۔

5۔ اردو ادب میں محاسن کلام کی اہمیت پر روشنی ڈالیے۔

طویل جوابات کے حامل سوالات

1۔ علم بدیع کی تعریف کرتے ہوئے اردو شاعری میں اس کی اہمیت پر روشنی ڈالیے۔

2۔ صنائع لفظی اور صنائع معنوی سے آپ کیا سمجھتے ہی؟ ان کے تحت چند صنعتوں کا تعارف مثالوں کے ساتھ پیش کیجیے۔

3۔ صنعت لف و نشر کی تعریف کرتے ہوئے مرتب اور غیر مرتب کی وضاحت مثالوں کے ساتھ کیجیے۔

4.8 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1۔ بحر الفصاحت : نجم الغنی خان

2۔ تسہیل البلاغت : مرزا سجاد بیگ دہلوی

3۔ تفہیم البلاغت : وہاب اشرفی

4۔ جدید علم البلاغت : عبد الحمید

5۔ درس بلاغت : این سی پی یو ایل

معروضی سوالات کے جوابات

B۔1 A۔2 C۔3 A۔4 B۔5

اکائی 5 : درخواست نویسی

اکائی کے اجزا

5.0		تمہید
5.1		مقاصد
5.2		درخواست کسے کہتے ہیں؟
5.3		درخواست: فن اور تکنیک
	5.3.1	بنیادی اوزار
	5.3.2	ذہنی خاکہ
	5.3.3	سچ پر مبنی ہو
	5.3.4	زبان
	5.3.5	وضاحت
	5.3.6	جامع اور اختصار
5.4		درخواست کی اقسام
	5.4.1	درخواست کا نمونہ
	5.4.2	عرضی برائے رخصت
	5.4.3	عرضی برائے وضاحت
	5.4.4	عرضی برائے ملازمت
	5.4.5	عرضی برائے استفسار (آر ٹی آئی)
5.5		اکتسابی نتائج
5.6		کلیدی الفاظ
5.7		نمونۂ امتحانی سوالات
5.8		تجویز کردہ اکتسابی مواد

5.0 تمہید

لفظ 'درخواست' سے ہم میں سے شاید ہی کوئی ایسا ہو جو واقف نہ ہو۔ یہ ایک ایسا لفظ ہے جس سے ہمارا سابقہ ابتدائی تعلیم یا اسکول کے دنوں میں ضرور پڑتا ہے۔ یہ ایک ایسی تحریر ہوتی ہے جو کسی فرد کی جانب سے کسی با اختیار و اقتدار شخصیت کو کسی مسئلے کے حل کے لیے لکھی جاتی ہے۔ مثلاً کالج میں چھٹی لینے کے لیے یا فیس کی ادائیگی میں رعایت کے لیے درخواست لکھنا۔ یہ ایک باضابطہ تحریر ہوتی ہے جسے لکھتے وقت القاب و آداب، طرز تخاطب اور جملہ اجزا و عناصر کا خیال رکھا جاتا ہے۔ اس اکائی میں درخواست نویسی کے فن اور تکنیک کا مطالعہ کریں گے۔

5.1 مقاصد

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- درخواست نویسی کی تعریف بیان کر سکیں۔
- اس کی اہمیت و افادیت کا تجزیہ کر سکیں۔
- درخواست نویسی کے لوازم کی تشریح و توضیح کر سکیں۔
- درخواست کی مختلف اقسام بیان کر سکیں۔
- اپنے طور پر درخواست لکھنے کی مشق کر سکیں۔

5.2 درخواست کسے کہتے ہیں؟

درخواست کے لغوی معنی التماس یا گزارش کے ہیں۔ درخواست کو عرضی بھی کہا جاتا ہے۔ انگریزی میں اسے Application کہتے ہیں۔ سوال کرنا کسی آرزو یا تمنا کا اظہار بھی درخواست ہے۔ درخواست نویسی سے مراد اپنی خواہشات یا ضروریات کو تحریری طور پر متعلقہ حکام تک پہنچانے کا عمل ہے۔ درخواست کی زبان اور لب و لہجہ آپ کی ضرورت یا خواہش کی شدت کا سامان ہوتا ہے۔ یہی لب و لہجہ آپ کی شخصیت کی شناخت کرواتا ہے۔ یعنی درخواست نہ صرف آپ کی ضرورت یا خواہش کا اظہار ہے بلکہ آپ کی شخصیت کے کچھ پہلو بھی آشکار ہوتے ہیں۔

درخواست نویسی کی ضرورت اور اہمیت ہر دور میں رہی ہے۔ جب تک انسان کی خواہشات اور ضروریات باقی رہیں گی تب تک درخواست نویسی کا عمل جاری رہے گا۔ آپ کو ایسے کئی مواقع ملیں گے جب آپ درخواست تحریر کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ فرض کیجیے آپ کے گھر کے قریب کوڑا کرکٹ کا ڈھیر ہے۔ جو آہستہ آہستہ سڑک پر پھیل رہا ہے۔ گلی کے کتے اور دوسرے جانور اس میں اپنی غذا تلاش کرنے کے لیے اسے مزید پھیلا رہے ہیں۔ لوگوں کو بھی اس سے بڑی تکلیف ہو گی۔ کچھ لوگ اس گندگی کو دیکھتے رہیں گے اور محکمہ بلدیہ کے خلاف غم و غصہ کا اظہار کریں گے۔ آپ متعلقہ احباب کو زبانی طور پر اس مسئلہ کو حل کرنے کی گزارش کریں گے۔ تب بھی آپ کا مسئلہ حل

نہیں ہو گا۔ پھر آپ کمشنر بلدیہ کو ایک درخواست لکھنے پر مجبور ہو جائیں گے اور اس خواہش کا اظہار کریں گے یہ گندگی جلد سے جلد دور کی جائے۔

آج کا دور میڈیا کا دور ہے۔ آپ کو مختلف افراد اور محکموں سے ربط رکھنا پڑتا ہے تاکہ آپ کی معلومات تر و تازہ رہیں۔ تعلقات کو استوار کرنے کا واحد طریقہ درخواست نویسی ہے۔ مختلف معلومات کو اکٹھا کرنا ہو یا اپنی معلومات دوسروں تک پہنچانا ہو تو درخواست سے بہتر مستند ذریعہ اور کوئی نہیں ہے۔ اگر آپ کو مطلوبہ معلومات نہیں مل رہے ہیں تو آپ RTI کریں گے جسے Right to information کہا جاتا ہے جس پر متعلقہ آفیسر کو جواب دینا لازم ہو جاتا ہے۔ آج الکٹرانکس میل (e-mail) کے ذریعے بھی اپنی درخواستیں بھیجی جاتی ہیں جو لمحوں میں دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچ جاتی ہیں۔ ذرائع میں خواہ کتنی ہی ترقی کیوں نہ ہو درخواست نویسی تو بہر حال ایک فن ہے اور ہر فن کی طرح یہ فن بھی تخلیقی اظہار چاہتا ہے۔

ایسا ہر گز نہیں ہے کہ صرف دانشور طبقہ ہی درخواست لکھتا اور پڑھتا ہے بلکہ عام لوگوں کو بھی اس مرحلے سے گزرنا پڑتا ہے۔ کالج میں داخلہ چاہیے تو درخواست لکھیے، کالج سے چھٹکارا حاصل کرنا ہو تو درخواست، ملازمت کے لیے درخواست اور ملازمت چھوڑنے کے لیے درخواست، بینک میں اکاؤنٹ کھولنا ہو تو درخواست اور اکاؤنٹ کو بند کرنا ہو تو درخواست، غرض زندگی کا ایسا کونسا شعبہ ہے جہاں درخواست کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی ہو۔ کام چھوٹا ہو کہ بڑا، ضرورت حقیر ہو کہ عظیم، آپ کو درخواست لکھنا ضروری ہو جائے گا۔ بعض محکمے جس میں پولیس اسٹیشن بھی شامل ہے، جہاں درخواست کے بغیر کوئی اقدام نہیں اٹھایا جاتا ہے۔ زبانی درخواست غیر معتبر تصور کی جاتی ہے۔

5.3 درخواست: فن اور تکنیک

درخواست نویسی ایک فن ہے اور ہر فن اپنی جگہ مشکل ہوتا ہے۔ تھوڑی سی توجہ اور مشق کے ذریعے اس فن پر عبور حاصل کیا جاسکتا ہے۔ مختلف اداروں کو روزانہ سینکڑوں عرضیاں موصول ہوتی ہیں۔ وہی عرضی قابلِ مطالعہ ٹھہرتی ہے جو اپنے اندر کوئی نہ کوئی خوبی پوشیدہ رکھتی ہو اور یہی عرضی دیگر عرضیوں سے مختلف ہوتی ہے، جو متعلقہ آفیسر کو اپنی جانب موثر کرتی ہے۔ اس لیے بہتر درخواست لکھنے کے لیے چند امور کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، جو درج ذیل ہیں۔

5.3.1 بنیادی اوزار:

درخواست لکھنے کے لیے کاغذ، قلم اور دوات کی ضرورت ہوتی ہے بہتر اور معیاری کاغذ استعمال کیجیے۔ کاغذ سفید اور چمک دار ہونا چاہیے۔ اس کے لیے عموماً کوارٹر سائز (x118) یا فل سکیپ (x138) یا A4 (8.21x11.69) کاغذ استعمال کیا جاتا ہے۔ اگر آپ کے نام کا لیٹر ہیڈ موجود ہو تو عرضی کے لیے وہی استعمال کریں۔ نیلی یا سیاہ روشنائی کا قلم، سفید اور چمکدار کاغذ کے لیے نہایت موزوں رہتا ہے۔ کاغذ اور قلم کے ضمن میں کوئی لاپرواہی یا کنجوسی کا مظاہرہ مت کیجیے۔ پرانے کاغذ یا روانی سے نہ چلنے والا قلم آپ کی تحریر کی خوبصورتی کو

مجروح کر سکتا ہے۔ ایسی عرضی آپ کی شخصیت کو نقصان پہنچا سکتی ہے حتیٰ کہ عرضی کے لیے استعمال کیا جانے والا لفافہ بھی معیاری اور نفیس ہونا چاہیے۔ کاغذ بڑا اور لفافہ چھوٹا ہو جائے تو آپ کی بد سلیقگی ظاہر ہو گی۔ غرض اس بات کی کوشش کیجیے کہ عرضی کے لیے درکار سامان نہایت معیاری اور نفیس ہو تا کہ آپ کی نفاست پسندی کا اندازہ ہو سکے اور آپ کی عرضی پڑھنے اور عملی اقدام اٹھانے کے لیے منتخب کی جائے۔

آج کے ٹکنالوجی کے دور میں کاغذ قلم اور دوات از کار رفتہ ہو گئے ہیں۔ اب کی بورڈ کا زمانہ ہے۔ اس بات کی کوشش کیجیے کہ آپ کے کی بورڈ پر بہتر روشنی کا انتظام ہو تا کہ غلط حرف ٹائپ ہونے سے رہ جائے۔ بڑے اور جلی حرفوں میں ٹائپ کرنے کی کوشش کریں۔ درخواست کو پرنٹ کرنے یا ای میل بھیجنے سے پہلے اسے اچھی طرح پڑھیں اور درخواست کو غلطیوں سے پاک کریں۔

5.3.2 ذہنی خاکہ:

عرضی لکھنے سے قبل ایک ذہنی خاکہ بنائیں کہ آپ کو کیا لکھنا ہے اور کس طرح لکھنا ہے۔ کون سے پہلوؤں کو روشن کرنا ہے اور کن دستاویزات کو عرضی کے ساتھ منسلک کرنا ہے۔ مدعا کو کتنے لفظوں میں بیان کرنا ہے اور کیسے بیان کرنا ہے؟ آپ کو یہ بھی طے کرنا ہو گا کہ درخواست اپنے خط میں لکھی جائے یا اسے ٹائپ یا کمپوز کروانا چاہتے ہیں۔ یہ ذہنی خاکہ آپ کو صحیح ڈھنگ سے عرضی لکھنے میں مددگار ثابت ہو گا۔

5.3.3 سچ پر مبنی ہو:

کچھ لوگ اپنے نام سے درخواست نہیں دیتے بلکہ دوسروں کے نام (فرضی) سے درخواست دیتے ہیں۔ کچھ شکوک و شبہات پیدا کرنے یا کسی کو بدنام کرنے کے لیے درخواست نویسی کا مشغلہ اپناتے ہیں۔ جب کہ کچھ احباب محض اپنا نام اخبار میں شائع کرنے کے لیے فرضی موضوعات پر درخواست بازی شروع کر دیتے ہیں۔ عرضی خواہ کسی بھی نوعیت کی ہو وہ صداقت پر مبنی ہونی چاہیے۔ جو کچھ بھی مواد یا معلومات دیے جائیں وہ بالکل سچ ہوں۔ اپنی قابلیت کی دھونس جمانے کے لیے جھوٹ کا سہارا نہ لیں۔ گول مول باتیں بنا کر صداقت پر پردہ ڈالنے کی کوشش نہ کریں۔ اس سے آپ کی شخصیت لا اعتبار ہو جائے گی اور آپ کو فائدے کے بجائے نقصان اٹھانا پڑے گا۔ فرضی ناموں سے درخواست لکھنا آپ کی بزدلی کو ظاہر کرتا ہے۔

5.3.4 زبان:

آپ جس جذبے یا تاثر سے عرضی لکھ رہے ہوں۔ عرضی پڑھنے والا بھی کم و بیش وہی تاثر قبول کرے تو یہ سمجھا جائے گا کہ آپ نے ابلاغ کا فریضہ انجام دے دیا۔ کہا جاتا ہے کہ موثر ابلاغ کی تین بڑی خوبیاں ہیں۔ سلاست، وضاحت اور اختصار۔ سلیس زبان کا مطلب صحیح الفاظ کا انتخاب اور استعمال ہے۔ سلیس اور بامحاورہ زبان لکھنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ مطالعہ، مشاہدہ اور تجربہ زبان میں سلاست اور سادگی پیدا کرتا ہے۔

تحریر میں سلاست کے اوصاف اس وقت پیدا ہوتے ہیں جب الفاظ آسان اور جملے مختصر ہوں۔ سادہ الفاظ وہی ہوتے ہیں جو روز مرہ استعمال میں آتے ہیں۔ مرزا غالب کو لیجیے انھوں نے ابتدا میں مشکل الفاظ اور پیچیدہ تراکیب کو اپنی شاعری میں استعمال کیا تھا جو لوگوں کی سمجھ سے بالاتر تھی۔ حالاں کہ اس مشکل شاعری پر وہ فخر کیا کرتے تھے، لیکن لوگوں نے انھیں مسترد کیا۔ جب انھوں نے آسان لفظوں اور آسان تراکیب میں شعر کہنا شروع کیا تو ان کی شہرت کو چار چاند لگ گئے اور ان کا شمار اردو کے بڑے شاعروں میں کیا جانے لگا۔ مشکل لفظ اور پیچیدہ ترکیب کی ایک مثال ملاحظہ ہو:

"غدودان معدہ میں حالتِ خانہ جنگی سی ہے۔"

اس جملے کو کتنے لوگ سمجھ پائیں گے؟ اگر یہی جملہ آسان لفظوں میں ہوتا تو اس کی ہیئت کچھ اس طرح ہوتی:

"معدہ صاف نہیں ہے۔"

اسی طرح درخواست میں بھی مشکل الفاظ اور مبہم تراکیب کا استعمال کر کے اپنی قابلیت کا سکّہ جمانے کی کوشش نہ کریں۔ کچھ لوگ ادق اور غیر مانوس الفاظ کو استعمال کرنے میں خوشی محسوس کرتے ہیں حالاں کہ ان کے آسان اور مرادف الفاظ موجود ہیں۔ ذیل میں کچھ مشکل الفاظ اور ان کے مرادف دیے جا رہے ہیں۔ آپ خود فیصلہ کیجیے کہ کون سے لفظ عرضی کے لیے بہتر ہیں۔

مشکل لفظ	:	**آسان لفظ**
منصہ شہود پر آنا	:	ظاہر ہونا
گراں بہاں	:	بے حد قیمتی
حقیقت نفس الامری	:	امر واقعہ
چرخِ نیلگوں	:	آسمان
ترقی معکوس	:	الٹی ترقی
کاسۂ لیس	:	خوش آمدی
منشائے ایزدی	:	خدا کی رضا

آسان لفظ و تراکیب کی استعمال شدہ درخواستیں ہی قابل مطالعہ ٹھہرتی ہیں۔ زبان کی سلاست کا واحد مقصد عرضی دینے والے اور لینے والے میں ترسیل کی کوئی رکاوٹ نہ ہو۔

5.3.5 وضاحت:

بہترین عرضی کی ایک خصوصیت اس کا واضح ہونا ہے۔ آپ جو کچھ لکھیں وہ واضح ہو۔ بے موقع لفظوں کا استعمال اور قواعد سے عاری جملے بھی عرضی کو ناقابل فہم بنا دیتے ہیں۔ لفظوں کا انتخاب صحیح ہو بلکہ ان کی دروبست بھی درست ہو۔ کیوں کہ عرضی کی لفظی اور معنوی سطح قابل فہم ہونا چاہیے۔ غیر واضح جملوں کے کچھ نمونے ملاحظہ ہوں:

غیر واضح : شب بر أت کی رات کو آبِ زم زم کا پانی پینا چاہیے۔

واضح : شب بر أت کو آب زم زم پینا چاہیے۔

غیر واضح : روزنامہ ''سیاست'' اخبار کے اشتہارات میں آپ کی یونی ورسٹی کا اشتہار دیکھا۔

واضح : روزنامہ ''سیاست'' میں یونی ورسٹی کا اشتہار دیکھا۔

غیر واضح : سالانہ ادیبوں کے کنونشن سے خطاب کرتے ہوئے صدر جمہوریہ نے کہا کہ...

واضح : صدر جمہوریہ نے ادیبوں کے سالانہ کنونشن سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ...

املا کی غلطیاں بھی عرضی کو مبہم اور ناقابل قرأت بنادیتی ہیں۔ املا کی غلطیاں عموماً مطالعہ کی کمی سے واقع ہوتی ہیں۔ اس سے مخالف پر غلط اثر پڑتا ہے۔ کوشش کیجیے کہ املا درست ہو۔ اس کے لیے لغت کا استعمال کیا کریں۔ واٹس ایپ یونی ورسٹی اور ایس ایم ایس نے ہر زبان کے املا کو بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔ ہر لفظ کو مختصر کرنے کا ایک فیشن چل پڑا ہے یہ بہت خطرناک رجحان ہے اس کا تدارک ضروری ہے۔ کچھ الفاظ ایک جیسا ہی املا رکھتے ہیں لیکن ان کی آوازیں اور ان کے معنی مختلف ہوتے ہیں۔ ایسی صورت میں اعراب کا استعمال ضروری ہے تاکہ پڑھنے والا غلط فہمی کا شکار نہ ہو۔ مثلاً

عالَم (دنیا)	.....	عالِم (علم رکھنے والا)
سَحر (صبح)	.....	سِحر (جادو)
عِلم (معلومات)	.....	عَلَم (پرچم)
کَرم (مہربانی)	.....	کِرَم (کیڑا)
مِلک (جائیداد)	.....	مُلک (انڈیا)
مرتِب (ترتیب دینے والا)	.....	مرتَّب (ترتیب دیا ہوا)

کچھ لوگوں کا اپنا تکیہ کلام ہوتا ہے۔ وہ اپنی تحریروں میں اس کو استعمال کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ تکیہ کلام سے درخواست اور مبہم ہو جاتی ہے جیسے میرے کہنے کا مطلب ہے، آپ سمجھے نا، میں یہ کہنا چاہ رہا ہوں، یعنی کہ آپ سمجھ رہے ہیں، سنیے تو سہی وغیرہ وغیرہ تکیہ کلام کے استعمال سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ آپ تحریر اور تقریر میں کوئی فرق نہیں کر پاتے ہیں۔ تحریر میں تکیہ کلام کے استعمال سے پڑھنے والا جھنجھلاہٹ کا شکار ہو جاتا ہے۔

5.3.6 جامع اور اختصار:

درخواست نویسی کی ایک اور خوبی اختصار ہے۔ یعنی کم سے کم الفاظ میں اپنا مدعا بیان کرنا ہے۔ دفاتر کو روزانہ کئی درخواستیں موصول ہوتی ہیں۔ یہ ممکن نہیں کہ ہر درخواست کا تفصیلی مطالعہ کیا جاسکے۔ ابتدائی مرحلہ میں ایک درخواست کا مدعا نوٹ کیا جاتا ہے اور متعلقہ

سکشن کو روانہ کر دیا جاتا ہے۔ اگر درخواست غیر ضروری طور پر طویل ہو، بے شمار غلطیاں ہوں اور یہ واضح نہ ہو پائے کہ درخواست گزار کیا کہنا چاہتا ہے تو وہ درخواست ابتدائی مرحلے میں روک لی جاتی ہے۔ عرضی کو نہ صرف مختصر بلکہ جامع ہونا چاہیے۔ وقت کا احساس ہر ایک کو ہوتا ہے۔ اس لیے عرضی میں غیر ضروری الفاظ، کلام تکرار واعادہ، خشو وزائد کا استعمال نامناسب ہے۔ درخواست جامع اسی وقت ہو سکتی ہے جب درخواست گزار کو زبان و بیان پر قدرت حاصل ہو۔ ذیل میں کچھ مثالیں دی جارہی ہے جو عرضی کو جامع اور مختصر بنانے میں مددگار ثابت ہوں گی۔

طوالت	جامع
رجسٹرار صاحب کی خدمات میں ایک سوال کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ وہ میری درخواست قبول کریں گے۔ میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ ایم اے امتحان کی فیس داخل کرنے کی آخری تاریخ کیا ہے؟ اس سے پہلے بھی یہ سوال کرنا چاہ رہا تھا مگر نہیں کر پایا۔ آپ سے پھر ایک بار گزارش ہے کہ فیس داخل کرنے کی آخری تاریخ معلوم کریں تو نوازش ہو گی۔ آپ کا بہت بہت شکریہ۔	ایم اے امتحان کی فیس داخل کرنے کی آخری تاریخ سے مطلع کریں تو نوازش ہو گی۔

تکرار واعادہ	جامع
میں ایس ایس سی جماعت درج اوّل سے کامیاب ہوں۔ انٹر میڈیٹ درجہ اوّل سے کامیاب ہوں اور بی اے بھی درجہ اوّل سے کامیاب ہوں۔ یعنی ہر امتحان میں درجہ اوّل سے کامیاب ہوں اور میں کبھی فیل نہیں ہوا ہوں بلکہ ہمیشہ ہمیشہ درجہ اوّل سے ہی کامیاب ہوا ہوں۔	میں ایس ایس سی، انٹر میڈیٹ اور بی اے درجہ اوّل سے کامیاب ہوں۔

حشو وزائد	جامع
۱۔ حیدرآباد میں ہر سال ماہ جون کے مہینے میں برسات کا موسم شروع ہوتا ہے۔ ۲۔ سماج کی ترقی اور بہتری کے لیے صرف اور صرف حکومت ہی کو نہیں بلکہ تمام افراد کو کوشش اور جدوجہد کرنا چاہیے۔	۱۔ حیدرآباد میں ہر سال جون میں برسات کا موسم شروع ہوتا ہے۔ ۲۔ سماج کی ترقی کے لیے حکومت کو ہی نہیں بلکہ افراد قوم کو جدوجہد کرنی چاہیے۔

درخواست کو مختصر اور جامع بنانے میں رموزِ اوقاف کا بھی بڑا دخل ہوتا ہے۔ سکتہ، وقفہ، رابطہ، تفصیلہ، سوالیہ، ندائیہ، فجائیہ، واوین اور ختمہ جیسی علامتوں سے تحریر کو مبسوط و مربوط بنایا جاسکتا ہے۔

5.4 درخواست کی اقسام

ذیل میں درخواست کا نمونہ دیا جارہا ہے۔ درخواست میں مدعا بڑی اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ عموماً مدعا پڑھ کر ہی کسی بھی محکمہ میں آپ کی درخواست متعلقہ سیکشن کو بھیجی جاتی ہے۔ مدعا میں مضمون کا بنیادی نکتہ بیان کیا جاتا ہے، جس کو پڑھنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے

کہ آپ نے یہ درخواست کیوں لکھی ہے۔ اگر کوئی حوالہ ہو تو حوالہ نمبر اور تاریخ ضرور درج کریں تا کہ بات مکمل ہو سکے مثلاً اگر اس سے قبل بھی درخواست دی جا چکی ہے تو اس درخواست کی تاریخ درج کریں۔

5.4.1 درخواست کا نمونہ:

درخواست گزار کا نام و پتہ	مخاطب کا نام اور پتہ
القاب و آداب!	

مدعا:.....

حوالہ: 1۔

2۔

نفس مضمون

تاریخ:	درخواست گزار کی دستخط (نام)

5.4.2 عرضی برائے رخصت:

فاطمہ انعم
ایم بی بی ایس (سال آخر)
دکن میڈیکل کالج، سنتوش نگر، حیدرآباد

محترم پرنسپل صاحبہ
دکن میڈیکل کالج
سنتوش نگر، حیدرآباد

محترم پرنسپل صاحبہ!

السلام علیکم!

مدعا: عرضی برائے رخصت۔ 7/ فروری تا 11/ فروری 2026ء

.....×.....

میرا مدعا یہ ہے کہ میں پانچ دن کے لیے کالج نہیں آپاؤں گی کیوں کہ میرے خالہ زاد بھائی کی شادی دہلی میں مقرر ہے۔ یہ نہ صرف میرا بھائی ہے بلکہ میرا دوست بھی ہے اس لیے شادی میں میری شرکت بے حد ضروری ہے۔

آپ سے ادباً گزارش ہے کہ 7/ فروری تا 11/ فروری 2026ء (پانچ دن) کی رخصت منظور کی جائے تو نوازش ہوگی۔

بہت بہت شکریہ

تاریخ: 5/ فروری 2026ء

آپ کی شاگرد
دستخط
(فاطمہ انعم)

5.4.3 عرضی برائے وضاحت:

منور افضل
انڈین انٹرنیشنل اسکول
پوسٹ بکس نمبر 786
جدّہ، سعودی عرب

اسسٹنٹ رجسٹرار (اکیڈمک)
مولانا آزاد نیشنل اردو یونی ورسٹی،
حیدرآباد، الھند

عالی جناب!

تسلیمات!

مدعا: عرضی برائے وضاحت۔ داخلہ برائے پی ایچ ڈی (اردو) سے متعلق

حوالہ: روزنامہ سیاست، بتاریخ: 26/ ڈسمبر 2025ء

.....×.....

راقم انڈین انٹرنیشنل اسکول جدّہ میں سینئر ٹیچر ہے۔ گزشتہ دنوں روزنامہ سیاست میں یونی ورسٹی کا ایک پریس نوٹ شائع ہوا تھا۔ جس میں اردو پی ایچ ڈی کورس شروع کرنے کا اعلان کیا گیا ہے۔ درج ذیل نکات پر آپ کی نظر کرم کا متمنّی اور وضاحت کا طالب ہوں۔ امید کہ مایوس نہیں فرمائیں گے۔

(1) راقم حیدرآباد سنٹرل یونی ورسٹی سے ایم۔ اے، ایم۔ فل (اردو) امتیازی نشانات سے کامیاب ہے اور پی ایچ ڈی میں داخلے کا خواہش مند ہے۔ مذکورہ کورس میں داخلہ کے لیے اسٹڈی سنٹر جدّہ سے رجوع کیا جاسکتا ہے؟

(2) پی ایچ ڈی میں داخلے کے لیے یونی ورسٹی کی فیس کیا ہے اور یہ فیس کس ملک کی کرنسی میں ادا کرنا ہوگی؟

(3) داخلے کی صورت میں کلاسس کا لزوم ہے یا اپنے طور پر ریسرچ مکمل کرنا ہوگا۔ مقالے کے نگران کا تعلق انڈیا سے ہوگا؟ یا سعودیہ کے اساتذہ کی خدمات لی جاسکتی ہیں؟

(4) کیا پی ایچ ڈی کرتے ہوئے Teach English کورس میں داخلہ لیا جاسکتا ہے؟ جو ایک فاصلاتی طرز کا کورس ہے۔

براہِ کرم مذکورہ امور کی وضاحت فرمائیں تو نوازش ہوگی۔

بتاریخ: 7/ جنوری 2025ء

دستخط

(منور افضل)

5.4.4 عرضی برائے ملازمت:

آج کل ملازمت کے لیے کسی خاص عرضی کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی ہے۔ کیوں کہ ہر ادارہ اپنا مخصوص پروفارما رکھتا ہے۔ امیدوار کو صرف خانہ پُری کرنی ہوتی ہے۔ البتہ بعض ادارے بائیو ڈاٹا طلب کرتے ہیں۔ اب بائیو ڈاٹا بھی قدیم اصطلاح ہوگئی ہے۔ اس کی جگہ سی وی (CV) کا استعمال عام ہوگیا ہے۔ جسے Curriculum Vitae کہا جاتا ہے۔ CV درخواست گزار کی شخصیت کا آئینہ ہوتا ہے۔ کیریئر میں کامیابی اس بات پر منحصر ہے کہ آپ نے کس قدر سوجھ بوجھ کے ساتھ CV تیار کی ہے۔

CV میں ذاتی معلومات جیسے نام، تاریخ پیدائش، سماجی رتبہ، زبان، پتہ، ٹیلیفون نمبر بشمول موبائل نمبر اور ای میل پتہ درج کیا جاتا ہے۔ تعلیمی پس منظر کے تحت تعلیمی ادارے کا نام، مدت مع سال و سنہ، محصول فیصد نمبرات، ڈویژن، نمایاں کارکردگی، کمپیوٹر کی جانکاری وغیرہ جب کہ ملازمت کے تجربے کے تحت ادارہ کا نام، مدت، عہدہ، ذمہ داریاں، کارکردگی اور تربیتی پروگرام جن میں شرکت کی ہو۔ موجودہ ملازمت کی مکمل تفصیلات ضرور درج کریں۔

CV مندرجات کو ترتیب ملازمت یا عہدہ پر منحصر ہے۔ اگر آپ پہلی مرتبہ ملازمت کے لیے عرضی داخل کررہے ہوں تو ذاتی معلومات ابتدا میں دیے جائیں پھر تعلیمی قابلیت اور تجربہ کو شامل کیا جائے۔ اگر آپ کسی بڑے عہدہ کے لیے امیدوار ہوں اور پہلے سے ملازم ہوں تو اپنا CV کو تعلیمی قابلیت یا تجربہ سے شروع کیا جائے۔ CV میں خاندانی حالات ہرگز نہ دیں۔ مختصر لفظوں میں اپنی پوری

شخصیت کو پیش کریں۔ CV دو صفحات سے زیادہ نہیں ہونا چاہیے۔ اہم نکات کو اہمیت دیں غیر ضروری معلومات دے کر CV کو طویل کرنے سے گریز کریں۔

CV کے ساتھ ایک تمہیدی خط لکھا جاتا ہے۔ CV کی طرح تمہیدی خط کے معیار پر خاص توجہ دیں کیوں کہ تمہیدی خط آپ کی تعلیمی لیاقت اور تجربہ کا خلاصہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے آفیسر آپ کی CV پڑھنے پر مجبور ہو گا۔ خط جاذب نظر اور مختصر ہو قواعد کی غلطیوں سے پاک ہو۔ جس شخص کو خط لکھ رہے ہوں اس کے نام کے لہجے پر خاص دھیان دیں۔ درخواست میں نہ تو بے جا عاجزی اور انکساری سے کام لیں اور نہ ہی تکبر اور گھمنڈ کا مظاہرہ کریں بلکہ یہ ثابت کرنے کی کوشش کریں کہ مطلوبہ جائیداد کے لیے آپ بہترین امیدوار ہیں اور کہیں کہ ادارہ کو ترقی دینے اور اس کے معیار کو اونچا کرنے میں آپ اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ CV کے ساتھ جو عرضی لکھی جاتی ہے اس کا نمونہ ملاحظہ ہو۔

حسان عبداللہ
مکان نمبر C4' سی آئی بی کوارٹرز
قدیم ملک پیٹ، حیدرآباد، 500036
فون:040-65703084
ای میل:hassan007@gmail.com

منیجر
ایچ آر ڈیپارٹمنٹ
بی ایچ ای ایل
حیدرآباد، تلنگانہ

جناب چیف ایڈیٹر صاحب!
آداب!
مدعا: عرضی برائے تقرر بہ حیثیت اسسٹنٹ انجینئر سے متعلق
حوالہ: اشتہار روزنامہ انڈین اکسپریس۔ بتاریخ: 10-01-2026

روزنامہ حوالہ ا میں آپ کی کمپنی کا اشتہار دیکھا۔ آپ کو یہ بتاتے ہوئے خوشی محسوس کر رہا ہوں کہ راقم بی۔ ای میکانیکل کے (عثمانیہ) درجہ اوّل سے کامیاب کیا۔ حیدرآباد میں ہی ایک پرائیویٹ کمپنی میں پانچ برسوں سے بہ حیثیت فورمین کارگزار رہا ہوں۔ انگریزی، ہندی، تلگو اور اردو زبان پر قدرت رکھتا ہوں۔ اس عرضی کے ساتھ اپنا CV اور تعلیمی تجربے کے صداقت نامے منسلک کر رہا ہوں۔ امید کہ مذکورہ جائیداد کے لیے اہل قرار پاؤں گا۔

تاریخ: 28-01-2026 دستخط

(حسان عبداللہ)

5.4.5 عرضی برائے استفسار (آر ٹی آئی):

آج کل حق معلومات یعنی Right to Information کے تحت مختلف اداروں سے درخواستیں داخل کی جاتی ہیں۔ حکومت ہند نے 2005ء میں ایک قانون کی منظوری دی تھی جس کو ہم RTI Act 2005 کہتے ہیں۔ اس قانون کے حوالے سے ہم مختلف سرکاری، نیم سرکاری ' خانگی اداروں اور محکمہ جات سے استفسار کرسکتے ہیں اور متعلقہ محکمہ کا ایک آفیسر جنھیں پبلک انفارمیشن آفیسر کہا جاتا ہے۔ جو پوچھے گئے سوالات کا جواب دیتا ہے، لیکن بیس سال سے زائد پرانے ریکارڈ سے متعلق معلومات حاصل نہیں کی جاسکتیں۔ انفارمیشن آفیسر آپ کی جانب سے طلب کیے گئے دستاویزات کی زیراکس کے اخراجات طلب کرسکتا ہے پھر وہ اخراجات آپ کی جانب سے ادا کیے جانے کے بعد مطلوبہ دستاویزات کی زیراکس بھیجی جاتی ہیں۔ اگر کسی ادارے کا انفارمیشن آفیسر ایک ماہ کے اندر آپ کی درخواست کا جواب نہیں دیتا ہے تو آپ کو حق حاصل ہے کہ آپ ریاستی سطح کے زونل آفیسر سے شکایت کریں جو متعلقہ محکمہ کو فوری کارروائی کرنے کا حکم دیتا ہے اور تعمیل نہ کرنے پر سزا بھی متعین کرسکتا ہے۔ اس کے علاوہ مرکزی سطح کا بھی آفیسر مقرر ہوتا ہے۔ غرض آپ کی درخواست پر متعلقہ محکمہ کارروائی کرنے کا پابند ہے۔ اب آن لائن بھی آر ٹی آئی کے ذریعے درخواست داخل کرنے کی سہولت حاضر ہے۔ اس کے لیے آپ کو اس لنک پر کلک کرنا ہوگا۔

www.onlinertiapplication.com

ہر شہری کو ہر محکمہ یا ادارے سے سوال کرنے کا حق ہے۔ تاکہ اسے پتہ چلے کہ سرکاری یا خانگی محکموں میں کام کاج کس طرح چل رہا ہے۔ کہیں کوئی غبن دھوکہ دہی کا کھیل تو نہیں ہو رہا ہے۔ سرکاری بجٹ کا استعمال کیسا ہو رہا ہے۔ تعلیمی اداروں میں داخلوں میں کس حد تک شفافیت ہے؟ تقررات کے ضمن میں کس طریقہ کار کو اپنایا جارہا ہے؟ غرض ہر قسم کے استفسار اپنے طور پر درخواست کے ذریعے پوچھے جاسکتے ہیں۔

درخواست کا نمونہ:

آر ٹی آئی کے تحت جو درخواست دی جاتی ہے اس میں پہلے اپنا نام، پتہ اور آئی ڈی پروف (آدھار، پیان کارڈ، آئی ڈی کارڈ وغیرہ) کی کاپی منسلک کرنا ہوتی ہے۔ آر ٹی آئی درخواست کی دس روپئے فیس بھی مقرر ہے لیکن غریب افراد اگر وہ اپنا آمدنی سرٹیفکیٹ مسلک کریں تو فیس سے مستثنیٰ ہوں گے۔

طوبیٰ ارم
مکان نمبر CIB-A4
ملک پیٹ قدیم، حیدرآباد 500036

اسسٹنٹ انفارمیشن آفیسر
گورنمنٹ ڈگری کالج
جگتال-505327

عالی جناب!

مدعا: قانون حق معلومات 2005 کے تحت کالج کے پروفیسر سید سمیع اللہ صاحب سے متعلق معلومات درکار۔

شعبۂ ہندی کے پروفیسر سید سمیع اللہ سے متعلق درج ذیل معلومات درکار ہیں۔ دستاویزات کی زیراکس کاپی مہیا کریں تو نوازش ہوگی۔

(1) جناب سید سمیع اللہ کا ابتدائی تقرر نامہ اور جوائینگ رپورٹ۔

(2) تعلیمی اور تدریسی اسناد کی کاپی۔

(3) مختلف ترقیوں کی تواریخ اور ان کی کاپی معہ آخری تنخواہ کا سرٹفیکیٹ

(4) ملازمت سے سبکدوشی کی تاریخ مع پنشن کی تفصیلات۔

جناب سید سمیع اللہ پر ایک خصوصی کتاب ترتیب دی جارہی ہے اس ضمن میں صحیح معلومات درکار ہیں۔ امید ہے کہ آپ آرٹی آئی کے مطابق جلد سے جلد مندرجہ بالا تمام سوالات کے جواب اور کاغذات ارسال فرمائیں گے۔

تاریخ: دستخط

مقام: (طوبیٰ ارم)

5.5 اکتسابی نتائج

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ نے درج ذیل باتیں سیکھیں:

- درخواست کے معنی التماس یا گزارش کے ہیں۔ اسے انگریزی میں Application کہاجاتاہے۔ درخواست نویسی سے مراد اپنی خواہش یاضرورت کو تحریری طور پر متعلقہ حکام تک پہنچانے کا عمل ہے۔
- درخواست نویسی کی ضرورت اور اہمیت ہر دور میں رہی ہے۔ جب تک انسان کی خواہشات اور ضروریات باقی رہیں گے تب تک درخواست نویسی کا عمل جاری رہے گا۔ درخواست نویسی ایک فن ہے جو تھوڑی سی توجہ اور مشق کے ذریعے حاصل کیاجاسکتاہے۔
- درخواست لکھنے کے لیے کاغذ اور قلم کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہمیشہ قلم اور کاغذ بہتر اور معیاری ہونا چاہیے۔ عرضی لکھنے سے قبل ایک خاکہ بنائیں کہ آپ کو کیا لکھنا ہے اور کیسے لکھنا ہے کون سے پہلوؤں کو روشن کرنا ہے۔ عرضی خواہ وہ کسی بھی نوعیت کی ہو صداقت پر مبنی ہونا چاہیے۔
- موثر ابلاغ کی تین بڑی خوبیاں ہیں۔ سلاست، وضاحت اور اختصار۔ تحریر میں سلاست کے اوصاف اس وقت پیدا ہوتے ہیں جب الفاظ آسان اور جملے مختصر ہوں۔ ادق اور غیر مانوس الفاظ اور پیچیدہ تراکیب سے بچنے کی کوشش کیجیے۔ آپ جو کچھ لکھیں وہ ذاتی ہو۔
- ناقابل فہم عرضیاں مسترد کردی جاتی ہیں۔ عرضی کو مختصر بھی ہونا چاہیے یعنی کم سے کم الفاظ میں اپنا مدعا بیان کیجیے۔ غیر ضروری الفاظ، تکرار، حشو وزائد کا استعمال نامناسب ہے۔ عرضی کو قواعد کی غلطیوں سے پاک ہونا چاہیے۔
- CV یعنی Curriculum Vitae آپ کی شخصیت کا آئینہ ہوتا ہے جس میں ذاتی معلومات، تعلیم اور تجربہ کی تفصیل درج کی جاتی ہے۔ CV دو صفحات سے زیادہ نہیں ہونا چاہیے CV کے ساتھ جو عرضی لکھی جاتی ہے وہ بھی جاذب نظر اور مختصر ہو۔

■ آج کل آر ٹی آئی کا چلن زیادہ ہے۔ آر ٹی آئی یعنی Right to Information Act 2005 ہے جس کو اردو میں قانون حقِ معلومات کہا جاتا ہے۔ اس حوالہ سے دی گئی درخواست پر متعلقہ محکمہ یا ادارہ کو اندرون تیس دن جواب دینا لازم ہوتا ہے۔ اگر وہ جواب نہیں دیتا ہے تو اس کے خلاف ریاستی مرکزی انفارمیشن بیورو میں شکایت کی جاسکتی ہے۔

5.6 کلیدی الفاظ

الفاظ	:	معنی	الفاظ	:	معنی
ابلاغ	:	پہنچانا، بھیجنا	ادق	:	نہایت مشکل
اعراب	:	زیر زبر اور پیش کی علامتیں	ترسیل	:	بھیجنا، روانہ کرنا
جامع	:	مکمل، تکمیل کیا ہوا	حشو وزائد	:	زائد کلام، بے ضرورت گفتگو
حیوانِ ناطق	:	بات کرنے والا حیوان یعنی انسان	سلاست	:	روانی
لوازم	:	لازم کی جمع، ضروری چیزیں	مشاہدہ	:	دیکھنا، معائینہ کرنا
مترادف	:	ہم معنی الفاظ	نامانوس	:	ناآشنا، اجنبی
مبہم	:	مشکوک، وہ جس کا مطلب واضح نہ ہو۔			

5.7 نمونۂ امتحانی سوالات

معروضی سوالات

1۔ درخواست کے لغوی معنی کیا ہیں؟

(A) التماس یا گزارش (B) حکم (C) ہدایت (D) فرمائش

2۔ درخواست کی زبان کیسی ہونی چاہیے؟

(A) صاف اور واضح (B) مبہم (C) ادق (D) شاعرانہ

3۔ اختصار کس چیز کی خوبی شمار کی جاتی ہے؟

(A) مضمون (B) خط (C) درخواست (D) نہیں معلوم

4۔ درخواست کا انحصار کس چیز پر ہونا چاہیے۔

(A) جھوٹ (B) قصہ کہانی (C) غلط باتیں (D) سچ

5۔ ادق کے کیا معنی ہیں؟

(A) نہایت آسان (B) نہایت مشکل (C) قافیہ والا (D) مختصر

مختصر جوابات کے حامل سوالات

1۔ درخواست کیوں لکھی جاتی ہے؟ مثالیں دیجیے۔

2۔ درخواست کا ذہنی خاکہ کس طرح تیار کیا جاتا ہے؟

3۔ مؤثر ابلاغ کی خوبیاں بیان کیجیے؟

4۔ اپنے پرنسپل کے نام تین روزہ رخصت کی درخواست لکھیے؟

طویل جوابات کے حامل سوالات

1۔ درخواست نویسی کو جامع اور مختصر بنانے کے اہم اصول بیان کیجیے؟

2۔ CV کسے کہتے ہیں؟ اور اس کے مندرجات پر روشنی ڈالیے۔

3۔ آپ کے شہر کے محکمہ بلدیہ کا منظور کردہ بجٹ اور اس کے خرچ کی تفصیلات معلوم کرنے کے لیے آر ٹی آئی درخواست لکھیے۔

5.8 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1۔ رئیس صدیقی اچھا خط کیسے لکھیں

2۔ لنک: https://youtube/8hQgwcluM-1

3۔ لنک: https://www.onlinertiapplication.com

معروضی سوالات کے جوابات

A-1 A-2 B-3 D-4 B-5

اکائی6 : خطوط نگاری

اکائی کے اجزا

6.0 تمہید

6.1 مقاصد

6.2 خطوط نگاری

6.3 خطوط کی اہمیت

6.3.1 سوانحی اہمیت

6.3.2 ادبی اہمیت

6.3.3 تاریخی اہمیت

6.3.4 لسانی اہمیت

6.4 خطوط کے اجزا

6.4.1 مکتوب الیہ کا نام و پتہ

6.4.2 القاب

6.4.3 آداب

6.4.4 نفسِ مضمون

6.4.5 خاتمہ

6.4.6 تاریخِ تحریر

6.4.7 دستخط

6.4.8 مکتوب نگار کا نام و پتہ

6.5 خطوط کی اقسام

6.5.1 ذاتی خطوط

6.5.2 دفتری خطوط

6.5.3 کاروباری خطوط

6.5.4 اخباری خطوط
6.6 اکتسابی نتائج
6.7 کلیدی الفاظ
6.8 نمونۂ امتحانی سوالات
6.9 تجویز کردہ اکتسابی مواد

6.0 تمہید

انسان روز افزوں ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔ دنیا عالمی گاؤں میں تبدیل ہو چکی ہے۔ لوگ پل پل کی خبر سے آگہی رکھتے ہیں۔ انسان اطلاعات اور ٹکنالوجی کے دور میں داخل ہو چکا ہے۔ ہر فرد کو معلومات کے حصول اور ارسال پر دسترس حاصل ہے۔ اس تیز رفتار دنیا میں جہاں لوگوں کو ہر لمحے کی خبر ہے، انسان کی زندگی میں خطوط کی اہمیت اور معنویت برقرار ہے۔ کیونکہ خطوط، انسان کے احساسات و جذبات کے مؤثر ترجمان ہوتے ہیں۔ ان میں مکتوب نگار کی شخصیت، سیرت اور کردار کی آئینہ داری ہوتی ہے۔ اس کے اخلاق، عادات اور آداب و اطوار کا عکس نظر آتا ہے۔ خطوط میں مکتوب نگار کے نہ صرف سوانحی اشارے ملتے ہیں بلکہ عصری حسیت، معاشرتی نشیب و فراز، معاصر تاریخ و تہذیب، رجحانات اور نظریات کی بازگشت ہوتی ہے۔ دراصل خطوط، افکار و خیالات کے اظہار کا طاقتور ذریعہ ہوتے ہیں۔ اس اکائی میں خطوط نویسی کی تعریف و تفہیم، اقسام اور اجزا کے متعلق تفصیلی گفتگو کی جائے گی۔ اس کے علاوہ خطوط کی تاریخی، سوانحی، ادبی اور لسانی اہمیت کو بھی زیرِ بحث رکھا جائے گا۔

6.1 مقاصد

اس اکائی سے استفادہ کرنے کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- خطوط کی بحیثیت صنف تعریف و تفہیم کو سمجھ سکیں۔
- موجودہ تناظر میں خطوط کی اہمیت و افادیت سے واقف ہو سکیں۔
- خطوط نویسی کے فن سے آگہی پیدا کر سکیں۔
- خطوط کے اجزا، ڈھانچہ یا ساخت سے مطلع ہو سکیں۔
- خطوط نویسی میں القاب و آداب کی اہمیت کو سمجھ سکیں۔
- خطوط کی سوانحی، تاریخی اور ادبی اہمیت سے واقف ہو سکیں۔
- خطوط کی اقسام کو مثالوں کے ذریعے سمجھ سکیں۔
- ذاتی، دفتری، کاروباری اور اخباری خطوط کے مابین فرق کو سمجھ سکیں۔

- خطوط کے زبان و بیان کی باریکیوں سے واقف ہو سکیں۔

6.2 خطوط نگاری

کسی فرد کے ذریعے کسی شخص، عوام یا ادارے کے لیے ارسال کردہ تحریری پیغام کو خط یا مکتوب کہا جاتا ہے۔ خطوط نگاری، تحریری ترسیل کی ایک موثر شکل ہے۔ خط ایک ادبی صنف ہے، اس میں مکتوب نگار کے جذبات، احساسات اور خیالات کی ترجمانی ہوتی ہے۔ یہ ذاتی اظہار کا ایک طاقتور وسیلہ ہے۔ اس میں زندگی کی حرکت، روح اور روانی ہوتی ہے۔ دراصل خط، زندگی کا ایک ایسا نگار خانہ ہے جس میں مکتوب نگار کی شخصیت ہر رنگ میں نمایاں ہوتی ہے۔ خط کے ہر ایک فقرے میں زندگی کا پرتو نظر آتا ہے۔ اس میں طنز و مزاح، درد و غم، تفریح و تفنن، لطف و انبساط کا گراں قدر سرمایہ موجود ہوتا ہے۔ خطوط میں مکتوب نگار کے مشاہدات، تجربات، افکار اور نظریات کی پیش کش ہوتی ہے۔

خط کا تعلق اپنے زمان و مکان سے بہت گہرا ہوتا ہے۔ اس میں فرد کی ذات کے ساتھ عوامی جذبات، سماجی نفسیات اور معاشرتی نشیب و فراز کا عکس نظر آتا ہے۔ خط میں مکتوب نگار کی شخصیت، خوش دلی، انسان دوستی، اخلاق، سیرت، نرم دلی، آداب و اطوار، خیالات، نفسیات اور کردار کی عکاسی ہوتی ہے۔ خط کسی اصول، خیال یا موضوع کا پابند نہیں ہوتا ہے۔ اس میں جذبات کے اظہار کی لامتناہی قوت اور خیالات کی بوقلمونی ہوتی ہے۔ دراصل خطوط، ذاتی اظہار اور ذاتی تسکین کا موثر ذریعہ ہوتے ہیں۔ خط کے متعلق یہ قول عام ہے کہ یہ نصف ملاقات کے مترادف ہوتا ہے۔ خطوط نگاری میں مکتوب الیہ، نظروں سے اوجھل ہوتے ہوئے بھی مکتوب نگار کے سامنے موجود ہوتا ہے۔ خطوط نویسی میں عام طور پر مکالماتی انداز بیان اختیار کیا جاتا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مکتوب نگار اور مکتوب الیہ ایک دوسرے سے ہم کلام ہیں۔ دراصل خطوط میں دو افراد کے مابین مکالمہ ہوتا ہے جس میں ایک فرد حاضر اور دوسرا غائب ہوتا ہے۔ ان میں رسمی مکالمے کے برعکس غیر رسمی اور بے تکلف گفتگو ہوتی ہے۔ خطوط نویسی میں ایجاز و اختصار کو حسن کا درجہ حاصل ہے۔ اس میں طوالت، استدلال، فلسفہ اور مباحثے سے گریز کیا جاتا ہے۔ خطوط کی ترسیل پیچیدہ، مبہم اور گنجلک افکار و نظریات سے مجروح ہوتی ہے۔ خطوط کی زبان عموماً سادہ، سلیس اور شستہ ہوتی ہے لیکن خطوط کی ایسی روایت بھی رہی ہے جس میں مکتوب نگاروں نے اپنے خطوط کو زبان کی چاشنی، رنگین بیانی، مقفیٰ، مسجع اور مرصع نثر سے آراستہ کیا ہے۔

خطوط نویسی میں جدت طرازی اور بیان کی ندرت ایک آرٹ ہے۔ اس میں معروضیت اور سادگی کے ساتھ تخلیقی فن کا مظاہرہ بھی ہوتا ہے۔ اس کے لیے کوئی رہنما اصول نہیں ہوتے۔ اس میں مکتوب نگار اپنی انفرادیت، خیال بندی، تخیل، حسنِ ادا اور انشا پردازی کا بخوبی مظاہرہ کرتا ہے۔ خط نویسی ایک فن ہے جسے متعدد مکتوب نگاروں نے اپنی شخصی انفرادیت اور منفرد قوتِ گویائی سے اوجِ کمال تک پہنچایا ہے۔ مکتوب نگار کا ایک منفرد اسلوب ہوتا ہے جو مختلف رنگ و آہنگ سے مزیّن ہوتا ہے۔ ان کے زبان و بیان میں رنگارنگی، جاذبیت، تنوع اور کشش ہوتی ہے۔ خطوط اگرچہ ذاتی احساسات و جذبات کے ترجمان ہوتے ہیں، لیکن ان میں ذاتی باتیں، اجتماعی و آفاقی جذبات کا ترجمان بن جاتی ہیں۔

خطوط میں روزمرہ کی گفتگو اور مکالماتی زبان کا نمونہ پایا جاتا ہے۔ بعض خطوط ایسے ہوتے ہیں جن کا لہجہ خطابیہ ہوتا ہے۔ ان کے ذریعے مذہبی، سیاسی، سماجی، نظریاتی اور اخلاقی تبلیغ کا کام بھی انجام دیا جاسکتا ہے۔ تجارتی محکموں، سرکاری دفتروں اور تعلیمی اداروں میں بھی خطوط کی خصوصی اہمیت ہے۔ چونکہ دفتری خطوط، سنجیدہ اور رسمی ہوتے ہیں لہٰذا ان میں اصول وضوابط کی پابندی ہوتی ہے۔ اعلیٰ اہلکار اور ماتحت اہلکار کے خطوط میں فرق ہوتا ہے۔ اعلیٰ اہلکار کو لکھے گئے خطوط میں القاب و آداب، عہدے اور مراتب کا خیال رکھنا لازمی ہے۔ ایسے خطوط میں درخواست، گزارش اور خاکساری کا لہجہ نمایاں ہوتا ہے جبکہ ماتحت اہلکار کو لکھے گئے خطوط میں ہدایت اور تحکم کا رنگ غالب ہوتا ہے۔ دراصل خطوط کی حیثیت دستاویز کی ہوتی ہے جن میں معاصر تاریخ، تہذیب، ثقافت، نفسیات، رجحان اور رویے کی بازگشت ہوتی ہے۔

6.3 خطوط کی اہمیت

اردو ادب میں خطوط کی اہمیت کئی معنوں میں ہے۔ خطوط میں صرف اظہارِ ذات نہیں ہوتا بلکہ سوانحی کوائف کی ترجمانی بھی ہوتی ہیں۔ خطوط، ادبا و شعرا کے ادبی اظہار کا ذریعہ بھی ہوتے ہیں۔ ان میں بعض اوقات ادب کے نازک و سنجیدہ مسائل پر گفتگو ہوتی ہے جن سے معاصر نقد و ادب پر گہری روشنی پڑتی ہے۔ خطوط میں تاریخ کا سفر بھی رواں رہتا ہے۔ متعدد ایسے خطوط دستیاب ہیں جن پر تاریخی نشیب و فراز کی مہر ثبت ہے۔ زبان کی سطح پر بھی خطوط کی اہمیت مسلّم ہے۔ جدید اردو نثر کے فروغ میں خطوط کی گراں قدر خدمات ہیں۔ زبان کی باریکی اور پیچیدگی کو سمجھنے میں ماہرینِ السنہ کے خطوط خصوصی اہمیت رکھتے ہیں۔ لہٰذا خطوط کی ہمہ گیر و ہمہ جہت اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے۔ ذیل میں خطوط کی سوانحی، ادبی، تاریخی اور لسانی اہمیت کے متعلق تفصیلی گفتگو کی گئی ہے۔

6.3.1 سوانحی اہمیت:

خطوط، سوانحی ادب کا حصہ ہوتے ہیں۔ ان میں مکتوب نگار کی شخصیت اور حقیقی زندگی کی عکاسی ہوتی ہے۔ ان میں فنکار کے داخلی جذبات و احساسات اور ظاہر و باطن کی ترجمانی ہوتی ہے۔ سوانحی خاکے اور سوانح عمریوں کی تشکیل میں خطوط معاون ہوتے ہیں۔ خطوط، مکتوب نگار کے حالاتِ زندگی، عقائد، نظریات، مالی حالات، آداب و اطوار اور ان کی سیرت و شخصیت، ذاتی صفات اور ذہنی و نفسیاتی کیفیات کے مظہر ہوتے ہیں۔

سوانحی اعتبار سے اردو میں مرزا غالبؔ کے خطوط کی گراں قدر اہمیت ہے۔ ان کے خطوط میں ان کی ذاتی زندگی، روزمرہ کے معمولات، مزاج و مذاق، معاشی حالات، رہن سہن، خورد و نوش اور افکار و نظریات کی موثر ترجمانی ملتی ہے۔ علاوہ ازیں ان میں پنشن کے مسائل، انگریز حکمرانوں سے ملاقات، کلکتہ کا سفر، ذاتی تعلقات، اہلِ خانہ کے حالات، ان کے ذوق و شوق اور ان کی پسند و ناپسند جیسے معاملات کی عکاسی کی گئی ہے۔ انھوں نے اپنے خطوط میں شوخی و ظرافت کو فن کے طور پر برتا ہے۔ ان کے یہاں تعزیت کے اظہار میں بھی انفرادیت پائی جاتی ہے۔ اسی طرح اردو کے دیگر ادبا و شعرا جیسے کہ سرسید احمد خاں، الطاف حسین حالی، شبلی نعمانی، ڈپٹی نذیر احمد، حسرت موہانی، علامہ اقبال اور ابوالکلام آزاد وغیرہ کے خطوط بھی ان کے سوانحی کوائف کی دستاویز ہیں۔

6.3.2 ادبی اہمیت:

خطوط ،ادب کا سرمایہ ہوتے ہیں۔ان میں ادبی مسائل پر گفتگو ہوتی ہے۔غالب۔کے خطوط ، اس ضمن میں خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔ان کے متعدد شاگرد، شعری اصلاح کے لیے انھیں خطوط لکھتے تھے۔غالبؔ انتہائی پابندی کے ساتھ ان کا جواب دیتے تھے جن میں اشعار کی اصلاح اور شعری ولسانی نکات پر مؤثر بحث ہوتی تھی۔غالبؔ کے خطوط میں فنی چابکدستی، ادب کی چاشنی، شعری رنگ و آہنگ، تذکیر و تانیث، حروف تہجی، املا اور اقسام نثر وغیرہ کے متعلق بحث کی گئی ہے۔لہٰذا ایسے خطوط کی حیثیت ادبی دستاویز کی ہے۔خطوط کے ذریعے معاصر ادبی چشمک پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ادبا وشعرا کے خطوط میں ایک دوسرے کے متعلق ذاتی وادبی تبصرے بھی ہوتے ہیں جن کی مدد سے ان کے روابط اور افکار پر گہری روشنی پڑتی ہے۔ دراصل خطوط میں ادبی شخصیت ، ذہنی ارتقا اور ادبی سفر کا اظہار ہوتا ہے۔خطوط ، تنقیدی و تحقیقی مآخذ اور علمی و ادبی معلومات کا ذریعہ ہوتے ہیں۔ ان میں ادبی صفات کی پیش کش اور ادبی اصول و ضوابط کی پابندی ہوتی ہے۔ان میں تخلیقی نثر کے عناصر پائے جاتے ہیں اور انشا پردازی، فنکاری اور زبان دانی کا مظاہرہ بھی ہوتا ہے۔خطوط میں زبان کی رنگارنگی، چاشنی، جاذبیت، کشش، پُرکاری، تنوع اور بوقلمونی ہوتی ہے۔دراصل خطوط کی اہمیت ادبی اسلوب کی ہے۔مذکورہ صفات کے باعث ہی اردو ادب میں خطوط کو صنف کا درجہ حاصل ہے۔

6.3.3 تاریخی اہمیت:

خطوط میں عصر حاضر کے سیاسی اتار چڑھاؤ، اخلاقی پستی، معاشرتی زوال، عصری حسیت، انسانی بے بسی وغیرہ کی متحرک تصویر کشی ہوتی ہے۔ خطوط کا تعلق اپنے زمان و مکان سے گہرا ہوتا ہے۔ ان کی حیثیت تاریخی دستاویز کی ہوتی ہے۔ متعدد ایسے خطوط ہیں جن میں تاریخی واقعات کا بیان ملتا ہے۔ جیسے کہ ۱۸۵۷ء کے خوں ریز واقعات، انگریزوں کا ظلم و ستم، زوالِ مغلیہ سلطنت، نوابینِ اودھ کی قید و مشقت، بیگماتِ اودھ کے تاریخی کردار اور تحریکِ آزادی وغیرہ۔اس ضمن میں رجب علی بیگ سرور، مرزا غالب، سرسید احمد خاں، شبلی نعمانی، الطاف حسین حالی، ابوالکلام آزاد، حسرت موہانی اور علامہ اقبال وغیرہ کے خطوط میں معاصر تاریخ کی تفصیلات درج ہیں۔رجب علی بیگ سرور اور بیگماتِ اودھ کے خطوط میں انتزاعِ سلطنتِ اودھ کے بعد لکھنؤ کی تباہی و بربادی کا مفصل نقشہ کھینچا گیا ہے۔علاوہ ازیں انگریزوں کے ظلم وجبر، لوٹ مار، تلنگوں کی اودھم ،ویرانیِ شہر، بیگمات کی بے بسی، برہنہ پا اور سراسیمہ عورتوں کا دربدر بھٹکنا وغیرہ کی دردانگیز تصویر پیش کی گئی ہے۔

مرزا غالبؔ نے اپنے متعدد خطوط میں غدر کی تصویر پیش کی ہے۔وہ دہلی کی تباہی وبربادی کے چشم دید تھے۔انھوں نے عالی شان عمارتوں کو مسمار ہوتے ہوئے دیکھا۔دوست احباب کو قتل ہوتے اور پھانسی پر لٹکتے ہوئے دیکھا۔ان کے خطوط میں واقعاتِ غدر کی صرف تفصیل ہی نہیں ملتی بلکہ دردوغم اور رنج والم کی ایک دل دوز داستان نظر آتی ہے۔وہ مغلیہ سلطنت کے آخری چشم وچراغ اور مغل شہزادوں کے المناک انجام کے شاہد تھے۔انھوں نے مغل بادشاہ کو دربدر ہوتے اور اپنے لواحقین پر ماتم کرتے ہوئے دیکھا تھا۔لہٰذا ان کے خطوط میں مغلیہ سلطنت کے خاتمے، دہلی کی تباہی، عوامی قتل وغارت اور برطانوی ظلم وجبر کی دردانگیز تصویر دیکھنے کو ملتی ہے۔ان کے علاوہ سرسید

احمد خاں، حسرت موہانی، علامہ اقبال اور ابوالکلام آزاد وغیرہ کے خطوط بھی معاصر تاریخ اور تحریک آزادی کے نشیب و فراز کے ترجمان ہیں۔

6.3.4 لسانی اہمیت:

اردو خطوط کی اپنی ایک لسانی اہمیت ہے۔ خطوط کے مطالعے سے اردو نثر کے تدریجی ارتقا پر روشنی پڑتی ہے۔ ابتدا میں اردو خطوط پر فارسی زبان کے اثرات مرتب تھے۔ رفتہ رفتہ فارسی خطوط میں اردو کے الفاظ شامل ہونے لگے۔ وقت کے ساتھ ساتھ اردو الفاظ کی مقدار میں اضافہ ہوتا گیا۔ مغلیہ عہد تک فارسی میں شعر کہنے یا نثر نگاری کو باعثِ افتخار سمجھا جاتا تھا۔ غالبؔ جیسے اردو کے عظیم شاعر نے پہلے فارسی میں شاعری کی، بعد ازاں اردو زبان میں طبع آزمائی کی۔ اسی طرح انھوں نے پہلے فارسی میں خطوط لکھے اور پھر اردو کو ذریعۂ اظہار بنایا۔ اردو کے ممتاز انشا پردازوں میں رجب علی بیگ سرور، مرزا غالب، محمد حسین آزاد، سرسید احمد خاں اور ابوالکلام آزاد کے نام اہم ہیں۔ مذکورہ تمام انشا پردازوں کا زبان و بیان اور رنگ و آہنگ جدا جدا ہے۔ رجب علی بیگ سرور کی نثر پر دبستانِ لکھنؤ کا گہرا رنگ ہے۔ انھوں نے اپنی نثری تخلیقات میں فارسی آمیز اردو نثر کو خصوصی طور پر برتا ہے۔ ان کے خطوط میں زبان کی رنگینی، چاشنی، تصنع اور جاذبیت پائی جاتی ہے۔ ان کے خطوط، مسجع و مقفع نثر سے بھی آراستہ ہیں۔ ان میں چیدہ چیدہ ردیف کی پابندی سے شاعرانہ حسن کا احساس ہوتا ہے۔ مرزا غالب نے اپنے خطوط کے ذریعے جدید اردو نثر کی بنیاد ڈالی۔ انھوں نے مرصع سازی اور تصنع سے گریز کیا۔ سادہ، شستہ اور سلیس زبان کو رائج کیا۔ مختصر اور حسبِ ضرورت القاب و آداب کا استعمال کیا۔ مراسلے کو مکالمہ بنایا اور نثر میں طنز و ظرافت کی راہ ہموار کی۔ علاوہ ازیں انھوں نے اقسام نثر، نثر مسجع، نثر مقفع، نثر معریٰ، روزمرہ، ٹکسالی، فصیح اور غیر فصیح جیسے اردو کے لسانی مسائل کے متعلق بھی اپنے خطوط میں تفصیلی بحث کی ہے۔ محمد حسین آزاد کی نثر پر بھی فارسی آمیز زبان کا رنگ نمایاں ہے۔ ان کے خطوط بھی رنگین بیانی اور فن کاری سے مزین ہیں۔ عہدِ سرسید میں جدید اردو نثر کی تحریک اپنے عروج پر تھی۔ اس وقت سادہ، آسان، سلیس اور شستہ نثر کا انتہائی فروغ ہوا۔ ابوالکلام آزاد کے خطوط میں مرصع اور سلیس دونوں رنگ نمایاں ہیں۔

6.4 خط کے اجزا

خطوط نویسی ایک سنجیدہ فن ہے۔ اس میں خط نویس کی انفرادیت، اہلیت اور فن کاری کی مکمل تصویر ہوتی ہے۔ عام طور پر مکتوب نگار کسی اصول یا پابندی سے آزاد ہوتا ہے۔ وہ خط کی تشکیل میں جدت اور منفرد پیرایۂ بیان اختیار کرتا ہے۔ اس کے خطوط صورتِ حال کے اعتبار سے منفرد اسلوب کے حامل ہوتے ہیں۔ خط کا اپنا ایک ڈھانچہ ہوتا ہے، جس کی تشکیل مختلف اجزا سے ہوتی ہے۔ خطوط نویسی میں خط کے اجزا کی پابندی ہوتی ہے، لیکن ان کے برتنے میں فرق پایا جاتا ہے۔ کسی کے یہاں تمام اجزا کی پابندی ہوتی ہے تو کسی کے یہاں چند کا ہی استعمال ہوتا ہے۔ مجموعی طور پر خط کے آٹھ اجزا ہوتے ہیں جن میں مکتوب الیہ کا نام و پتہ، تاریخِ تحریر، القاب، آداب، نفسِ مضمون، خاتمہ، دستخط اور مکتوب نگار کا نام و پتہ وغیرہ شامل ہیں۔ جن کی تفصیلات درج ذیل ہیں۔

6.4.1 مکتوب الیہ کا نام و پتہ:

مکتوب الیہ (جس کو خط لکھا جائے) خط کا ایک اہم جُز ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کے مطابق ہی القاب و آداب کا استعمال کیا جاتا ہے۔ خط کی ابتدا میں حسبِ ضرورت مکتوب الیہ کا نام اور عہدہ درج کیے جاتے ہیں۔ اس کے بعد نیچے کی سطروں میں اس کا مکمل پتہ لکھا جاتا ہے۔ اگر ذاتی خط ہے تو اس میں مکتوب الیہ کے عہدے کا ذکر نہیں ہوتا جبکہ دفتری یا کاروباری خطوط میں مینیجر صاحب، چیئر مین صاحب، وی سی صاحب یا صدرِ شعبہ وغیرہ کا استعمال کیا جاتا ہے۔ ایسے خطوط میں عہدے کے ساتھ نام بھی درج ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ دراصل مکتوب نگار اپنی سہولت یا ضرورت کے مطابق مکتوب الیہ کا نام یا عہدے کا ذکر کرتا ہے۔ اس کے لیے کوئی حتمی اصول قائم نہیں کیے گئے ہیں۔ خط کے پہلے صفحے کی ابتدا میں دائیں جانب مکتوب الیہ کے نام، عہدے اور پتے کا لکھا جانا اس لیے ضروری ہے کیونکہ خط کی حیثیت دستاویز کی ہوتی ہے۔ اس سے یہ بآسانی شناخت ہو جاتی ہے کہ خط کا مخاطب کون ہے۔

6.4.2 تاریخِ تحریر:

تاریخِ تحریر کے متعلق دو اصول رائج ہیں۔ کچھ مکتوب نگار خط کی ابتدا میں ہی دائیں یا بائیں جانب خط کی تاریخ درج کر دیتے ہیں۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ مکتوب نگار خط کے آخر میں اپنے نام اور دستخط کے نیچے خط کی تاریخ رقم کر دیتا ہے۔ خط نویسی میں تاریخ کی بڑی اہمیت ہے۔ کیونکہ تاریخ کے اندراج سے یہ علم ہوتا ہے کہ اس خط کو کس تاریخ، مہینہ اور سن میں لکھا گیا تھا۔ ایسے خطوط کی اہمیت اس وقت زیادہ ہو جاتی ہے جب وہ کسی تاریخی تناظر میں لکھے گئے ہوں۔ خطوط، مکتوب نگار کے سوانحی کوائف کا حصہ ہوتے ہیں۔ لہٰذا یہ علم ہو جاتا ہے کہ متذکرہ خط سے مکتوب نگار کی زندگی کے کس موڑ یا وقت کی ترجمانی ہو رہی ہے۔ علاوہ ازیں دفتری یا کاروباری خطوط میں تاریخ کا اندراج اشد ضروری ہے۔ کیونکہ دفتروں میں تاریخ کے اعتبار ہی سے خطوط کے رکارڈ محفوظ کیے جاتے ہیں۔ بنیادی طور خطوط چاہے کسی بھی نوعیت کے ہوں تاریخِ تحریر کی اہمیت مسلّم ہے۔

6.4.3 القاب:

خطوط نویسی میں ایسے خطابات جو مکتوب الیہ کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں، انھیں القاب کہا جاتا ہے۔ دراصل القاب سے مکتوب الیہ کی شخصیت، عظمت اور مرتبے کا اظہار ہوتا ہے۔ مکتوب نگار، مکتوب الیہ کی عمر، پیشہ، عہدہ، حیثیت اور رشتے کے مطابق القاب کا استعمال کرتا ہے۔ ذاتی خطوط اور دفتری یا کاروباری خطوط کے مابین القاب کے استعمال میں فرق پایا جاتا ہے۔ چونکہ دفتری یا کاروباری خطوط رسمی ہوتے ہیں لہٰذا ان میں القاب بھی مختصر اور رسمی ہوتے ہیں۔ جب کہ ذاتی خطوط میں بے تکلفی کے ساتھ سنجیدگی بھی ہوتی ہے۔ اگر خط کسی بزرگ یا اعلیٰ شخصیت کے لیے ہے تو اس کے القاب دوستوں یا ہم عمر کو لکھے جانے والے خط سے مختلف ہوں گے۔ اخباری خطوط میں بھی طویل القاب سے گریز کیا جاتا ہے۔ ایسے خطوط میں عام طور پر مکرمی یا محترمی جیسے القاب استعمال کیے جاتے ہیں۔

اردو میں فارسی کے زیرِ اثر طویل القاب لکھنے کا چلن عام تھا۔ رجب علی بیگ سرور یا دیگر معاصرین کے خطوط میں مدحیہ اور مبالغہ آمیز القاب کی بہتات نظر آتی ہے۔ غالب نے مختصر القاب کی روایت قائم کی۔ انھوں نے مکتوب الیہ کو بعض اوقات براہِ راست خطاب

کیا، جیسے کہ کوئی ہم کلام ہو۔ خطوط نویسی میں عام طور پر جو القاب استعمال ہوتے رہے ہیں ان میں مکرمی، محترمی، حضور والا، عالی جناب، جناب والا، اعلیٰ تبار، مجبی، محبِ گرامی، کرم فرما، عزیزم، عزیزی، عزیزِ من، دوستم، دوستِ من، پیارے وغیرہ شامل ہیں۔ یہ واضح رہے کہ مذکورہ القاب کے استعمال میں عمر اور حیثیت کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

6.4.4 آداب:

کسی فرد کی تعظیم میں سلام پیش کرنا، آداب کہلاتا ہے۔ دراصل اردو زبان کی اپنی ایک تہذیبی شناخت ہے۔ اس میں سماجی رسم و راہ کی ایک الگ شان ہے۔ گفتگو اور تحریر دونوں میں زبان کی شائستگی، نرمی اور چاشنی کا پورا خیال رکھا جاتا ہے۔ اردو کی یہ تہذیب ہے کہ مکتوب الیہ کی دعائے سلامتی کے ساتھ خط کی ابتدا ہوتی ہے۔ دراصل خط میں دو افراد کے مابین مکالمہ ہوتا ہے۔ لہٰذا اس میں مکتوب الیہ کی عظمت اور مرتبے کا لحاظ رکھتے ہوئے اسے آداب کے ذریعے مخاطب کیا جاتا ہے۔ خط میں آداب کے لیے مختلف الفاظ یا فقرے استعمال کیے جاتے ہیں، جن سے اردو زبان کی تہذیبی قدر و منزلت اور علویت کا اظہار ہوتا ہے۔ اس طرح کے الفاظ عام طور پر راست ملاقات میں بھی ادا کیے جاتے ہیں۔ جیسے کہ السلام علیکم، سلام مسنون، تسلیم، تسلیمات، آداب، آداب عرض ہے اور تسلیم و نیاز وغیرہ۔

6.4.5 نفسِ مضمون:

نفسِ مضمون میں مکتوب نگار اپنے احوال اور کیفیات کی تفصیل پیش کرتا ہے۔ اس میں مکتوب الیہ کی خیریت دریافت کی جاتی ہے۔ خط ایک ایسا فن پارہ ہے، جس میں خط نویس کی شخصیت اور سیرت کی موثر ترجمانی ہوتی ہے۔ وہ اپنے حسن اخلاق، آداب و اطوار اور مزاج و مذاق کا بھرپور مظاہرہ کرتا ہے۔ نفسِ مضمون، خط نویسی کا سب سے اہم حصہ ہوتا ہے۔ اس میں انتہائی سنجیدگی، متانت اور فن کاری کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس سے مکتوب نگار کے اسلوب اور انشا پردازی کا اظہار ہوتا ہے۔ اس کے ذریعے مکتوب نگار کے افکار و خیالات پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ ایک ماہر مکتوب نگار کی زبان و بیان پر گہری دسترس ہوتی ہے۔ وہ زبان کی چاشنی، فکر کی رفعت اور خیال کی بلندی کا بھرپور مظاہرہ کرتا ہے۔ خط میں مکتوب الیہ کی عظمت اور مرتبے کے مطابق زبان و بیان کا اہتمام کیا جاتا ہے، لیکن دفتری، کاروباری اور اخباری خطوط کی زبان، ذاتی خطوط سے مختلف ہوتی ہے۔ ان میں سادگی، سنجیدگی اور معروضیت کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔ یہاں مقاصد کے بیان میں راست گوئی سے کام لیا جاتا ہے۔ جبکہ ذاتی خطوط میں انشا پردازی کی گنجائش وسیع ہوتی ہے۔ نفسِ مضمون کا ایک مقصد مکتوب الیہ کو ذہنی و جذباتی طور پر متاثر کرنا ہوتا ہے۔ خط کے مضمون کا انحصار اس بات پر بھی ہوتا ہے کہ مکتوب نگار کا مخاطب کون ہے اور خط کس مقصد یا غرض کے تحت لکھا جارہا ہے۔ دراصل مکتوب نگار کی اپنی انفرادیت ہوتی ہے۔ جب وہ اپنے خیالات کو قلم بند کرتا ہے تو کسی اصول کا پابند نہیں ہوتا بلکہ اپنی تخلیقی صلاحیت اور منفرد اندازِ بیان کا مظاہرہ کرتا ہے۔

6.4.6 خاتمہ:

مکتوب نگار اپنے احوال کو مکمل طور پر بیان کرنے کے بعد آخر میں چند رسمی جملے اختیار کرتا ہے جنھیں خاتمہ کہا جاتا ہے۔ خط کے اس حصے میں مکتوب نگار اپنی محبت، عقیدت اور جذباتی رشتے کا اظہار کرتا ہے۔ وہ مکتوب الیہ پر اپنے احساسات و جذبات کا نقش قائم کرنا چاہتا

ہے۔ اختتامی کلمات عام طور پر مختصر ہوتے ہیں لیکن وہ مکمل جملے بھی ہو سکتے ہیں۔ جیسے کہ ہم آپ کے احسان مند ہوں گے، اب اجازت دیجیے، اگلے خط میں ملاقات ہو گی، زیادہ کیا عرض کروں اور خدا حافظ وغیرہ۔ ان کے علاوہ مکتوب نگار چند فقرے بھی تحریر کرتا ہے جیسے آپ کی عنایات کا طالب، آپ کا وفادار، آپ کا فرماں بردار، آپ کا نیاز مند، خاکسار، مخلص، خیر اندیش وغیرہ۔ مذکورہ الفاظ کا استعمال مکتوب الیہ کی حیثیت اور مرتبے کے پیشِ نظر کیا جاتا ہے۔ دفتری اور کاروباری خطوط کا اختتامیہ ذاتی خطوط سے مختلف ہوتا ہے۔ ان میں اختصار اور معروضیت سے کام لیا جاتا ہے۔

6.4.7 دستخط:

خطوط نویسی میں دستخط بظاہر بہت مختصر حصہ ہوتا ہے، لیکن اس کی بڑی اہمیت ہے۔ اس سے خط کے تقدس اور اصلیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کے نام سے خود خط لکھ دے جس سے اس کی رسوائی ہو جائے۔ ایسی صورت میں دستخط ہی اس کے حقیقی ہونے کا ضامن بنتا ہے۔ اگر کسی دفتری یا کاروباری خط میں نام کے ساتھ دستخط نہ ہو تو اس کی اہمیت نہیں ہوتی ہے۔ لہٰذا خط کی اہمیت، معنویت اور تقدس کے لیے ضروری ہے کہ مکتوب نگار اپنا مکمل نام لکھے اور اس کے اوپر اپنا دستخط بھی کرے۔ دراصل دستخط، خطوط نویسی میں ایک ناگزیر عمل ہے۔

6.4.8 مکتوب نگار کا نام و پتہ:

مکتوب نگار خط کے آخر میں اپنا نام اور مکمل پتہ لکھتا ہے۔ ذاتی خطوط میں مکتوب نگار اپنا مکمل پتہ نہیں لکھتا کیونکہ مکتوب الیہ عام طور پر اس کا شناسا ہوتا ہے۔ اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ لفافے پر بحیثیت مرسل اس کا پورا پتہ درج ہوتا ہے۔ اس کے برعکس دفتری یا کاروباری خطوط میں نام کے ساتھ مکمل پتہ بھی لکھا جاتا ہے۔ کیونکہ خط کو لفافے سے الگ کر کے جب رکارڈ میں رکھا جاتا ہے تو اس پر پتہ کا ہونا ضروری ہے۔ انگریزی خطوط میں نام اور مکمل پتہ لکھنے کا عام رواج ہے، لیکن اردو خطوط میں اس کی سختی سے پابندی نہیں کی جاتی ہے۔ مکتوب نگار پر یہ منحصر کرتا ہے کہ وہ خط کے آخر میں اپنا مکمل پتہ لکھتا ہے یا نہیں۔ دراصل خط کے آخر میں مکتوب نگار کا نام و پتہ لکھنا زیادہ مناسب ہے کیونکہ یہ خط کا بہت اہم حصہ ہوتا ہے۔ اگر پتہ غلط اور نامکمل ہے تو مکتوب الیہ کو جواب دینے میں دشواری ہو گی۔ دفتری یا کاروباری خطوط میں نام و پتہ کا ہونا لازمی ہے۔ اس کے بغیر ان کی اہمیت صفر ہے۔ ایسے خطوط جن میں مرسل کے نام و پتہ نہیں ہوتے انھیں اعتبار کی نظر سے نہیں دیکھا جاتا ہے۔

6.5 خطوط کی اقسام

اردو میں خطوط نگاری کی مختلف شکلیں رائج ہیں۔ ضرورت کے مطابق خطوط کی کسی شکل یا فارمیٹ کو اختیار کیا جاتا ہے۔ کچھ ایسے خطوط ہوتے ہیں جن میں کوئی شخص اپنے والدین، اساتذہ، محسنین اور مقتدر حضرات کو خطاب کرتا ہے۔ ان کے علاوہ کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جن میں کوئی فرد اپنے دوست، ہم پیشہ اور ہم مشرب کو مخاطب کرتا ہے۔ ان کے علاوہ ایسے خطوط ہو سکتے ہیں جن میں دفتری یا سرکاری

امور پر گفتگو کی جاتی ہے۔ خط کی ایک دوسری شکل بھی ہے جسے عوام میں سرگرمی کے ساتھ عمل میں لایا جاتا ہے۔ ایسے خطوط عام طور پر اخبارات میں شائع ہوتے ہیں۔ کچھ خطوط عوامی سرگرمیوں کا بھی حصہ ہوتے ہیں جن میں کسی مہم، اصلاح اور بیداری کے لیے عوام سے خطاب کیا جاتا ہے۔ خطوط کو مجموعی طور پر ذاتی، دفتری، کاروباری اور اخباری زمرے میں درجہ بند کیا جاتا ہے۔ ذیل میں ان کی تعریف، توضیح اور مثالیں پیش کی گئی ہیں۔

6.5.1 ذاتی خطوط:

ذاتی خطوط کو نجی یا شخصی خطوط کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ ایسے خطوط میں ذاتی جذبات، احساسات، خیالات اور افکار کا اظہار ہوتا ہے۔ اس طرح کے خطوط مکتوب نگار اور مکتوب الیہ کے مابین ذاتی رشتوں کے امین ہوتے ہیں۔ ایسے خطوط کو عام طور پر مکتوب الیہ کے علاوہ کسی دوسرے کو پڑھنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ مہذب سماج میں دوسرے کے خط کو پڑھنا اخلاقی جرم خیال کیا جاتا ہے۔ مکتوب الیہ اگر کسی کو پڑھنے یا خط کو عام کرنے کی اجازت دیتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اردو میں ایسی مثالیں موجود ہیں جن میں ادبا و شعرا کے خطوط یکجا کر کے شائع کیے گئے ہیں۔ ذاتی خطوط میں القاب و آداب اور رسمی و غیر رسمی طرزِ بیان کے مختلف رنگ نمایاں ہوتے ہیں۔ ایسے خطوط کے مخاطب میں برگزیدہ اشخاص، دوست احباب اور عزیز و اقارب شامل ہوتے ہیں۔ مکتوب نگار، مکتوب الیہ کی شخصیت، مرتبہ، حیثیت، عمر اور رشتے کی نوعیت کے اعتبار سے القاب و آداب کا استعمال کرتا ہے۔ بزرگوں کو مخاطب کرتے وقت ادب، احترام اور عقیدت کا انداز بیان اختیار کیا جاتا ہے جبکہ دوستوں کے خطاب میں بے تکلفی، فطری پن اور غیر رسمی اظہار ہوتا ہے۔ کم عمر افراد کو مخاطب کرتے وقت شفقت، محبت، دعا، ہدایت، نصیحت، اصلاح اور تربیت کا پیرایۂ بیان اختیار کیا جاتا ہے۔ ذیل میں ذاتی خط کا ایک نمونہ ملاحظہ کیجیے:

ذاتی خط کا نمونہ

استاد کے نام خط

ہاؤس نمبر۔225
گلشن اپارٹمنٹ، جامعہ نگر،
اوکھلا، نئی دہلی۔110025

مکرمی! السلام علیکم!

اللہ کی ذات سے قوی امید ہے کہ آپ بخیر و عافیت ہوں گے۔ آپ کا محبت نامہ ملا جس کے لیے ہم شکر گزار ہیں۔ آپ کی شفقت اور سرپرستی میرے لیے باعثِ افتخار ہے۔ میں نے آجکل کے گذشتہ شمارے میں آپ کا مضمون پڑھا۔ یہ مضمون انتہائی معلوماتی اور فکر انگیز

ہے۔ طلبہ کے لیے یقینا یہ کار آمد اور مفید ثابت ہو گا۔ آپ کی ہدایت، رہنمائی اور سرپرستی کی یہ برکت ہے کہ آپ کا یہ ادنیٰ طالب علم آج درس و تدریس سے وابستہ ہے۔

آپ کی ہدایت کے مطابق درس و تدریس کے ساتھ تحقیق و تدوین کا سلسلہ جاری ہے۔ اس وقت افسانوی ادب کی شاہکار تخلیقات زیرِ مطالعہ ہیں۔ میری خواہش ہے کہ آپ کی طرح بحیثیت افسانہ نگار اپنی شناخت قائم کر سکوں۔ اس ضمن میں آپ کی مزید سرپرستی کی ضرورت ہے۔ آپ اپنی صحت کا خیال رکھیں۔ یہاں سب کچھ ٹھیک ہے۔ اللہ کا کرم ہے۔ مجھے اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔ اللہ حافظ۔

آپ کی محبت اور عنایات کا طالب

(دستخط)

احرار بن قیس

۲۲/مارچ، 2026

6.5.2 دفتری خطوط:

ایسے خطوط جو سرکاری، نیم سرکاری اور نجی اداروں میں استعمال ہوتے ہیں انھیں دفتری خطوط کہا جاتا ہے۔ کسی بھی دفتر میں عملہ حسبِ مراتب کار فرما ہوتے ہیں۔ ان میں انتظامیہ کے سربراہ سے ماتحت اور ادنی اہلکار تک کی شمولیت ہوتی ہے۔ ایسے خطوط کی دو شکلیں عام طور پر رائج ہیں۔ ایک شکل وہ ہے جس میں اعلیٰ اہلکار یا ادارے کا سربراہ اپنے ماتحت اہلکار کو مخاطب کرتا ہے۔ ایسے خطوط میں رسمی طریقہ کار اور نظم و نسق کی پابندی نہیں ہوتی ہے۔ چونکہ اعلیٰ افسر اپنے ماتحت کو مخاطب کرتا ہے، اس لیے وہ درخواست کے بجائے ہدایت یا حکم کا لہجہ اختیار کرتا ہے۔ عام طور پر ایسے خطوط میں ادارے، شعبے اور انتظامیہ کے متعلق اصول و ضوابط، ہدایات، تاثرات، توضیحات اور اطلاعات وغیرہ شامل ہوتی ہیں۔ ایسے خطوط کسی ادارے یا انتظامیہ کے لیے بہت کار آمد ہوتے ہیں۔ ان میں ایک نظامِ مراتب ہوتا ہے جہاں عہدے کے مطابق ماتحت اہلکار سے خط و کتابت کی جاتی ہے۔ دفتری خطوط کی دوسری شکل وہ ہے جس میں ماتحت اہلکار اپنے اعلیٰ افسر، مینجمنٹ یا انتظامیہ سے خطاب کرتا ہے۔ ایسے خطوط عام طور پر رسمی ہوتے ہیں جن میں زبان کی عمدگی، نظم و نسق اور اعلیٰ افسران کے مرتبے کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔ اس کے تحت ماتحت اہلکار کسی مسئلے کو اعلیٰ اہلکار یا انتظامیہ کے سامنے لانا چاہتا ہے۔ وہ انتہائی غور و خوض اور توجہ کے بعد خط کا مضمون تیار کرتا ہے تاکہ اس میں کوئی خامی یا شکایت کا موقع باقی نہ رہے۔ ایسے خطوط میں غیر ضروری اطلاعات سے گریز اور ایجاز و اختصار سے کام لیا جاتا ہے۔ دراصل دفتری خطوط انتہائی رسمی، سنجیدہ، معروضی، اطلاعاتی اور منظم ہوتے ہیں۔ ذیل میں دفتری خط کا ایک نمونہ ملاحظہ کیجیے:

دفتری خط کا نمونہ

جناب مینیجر صاحب

مائکرو ٹیک پرائیویٹ لمٹیڈ بھونیشوری، ممبئی

عالی جناب!

میں نے روزنامہ ٹائمس آف انڈیا، مورخہ ۲۰/مارچ، 2026ء میں آپ کا ایک اشتہار دیکھا۔ جس کے مطابق کمپنی کو ایک سافٹ ویئر انجینیر کی ضرورت ہے۔ آپ کو یہ مطلع کرنا چاہتا ہوں کہ میں نے آئی آئی ٹی، دہلی سے سافٹ ویئر میں بی ٹیک کی ڈگری حاصل کی ہے۔ میں نے اب تک کئی کمپنیوں میں بحیثیت سافٹ ویئر انجینیر کام کیا ہے۔ مجھے متعدد کمپنیوں کے لیے سافٹ ویئر بنانے کا تجربہ حاصل ہے۔ اس شعبے میں میری کارکردگی تقریباً دس برس سے زائد ہے۔

اگر آپ میرا تقرر فرماتے ہیں اور اپنی سرپرستی میں کام کرنے کا موقع فراہم کرتے ہیں تو میں اس کمپنی کے لیے انتہائی کار آمد ثابت ہو سکتا ہوں۔ میرے تجربے، جنون اور محنت سے کمپنی بلندی کی ایک نئی تاریخ رقم کر سکتی ہے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اپنی ذمے داریوں کو ایمانداری اور پابندی کے ساتھ انجام دوں گا۔ شکریہ

متعلقہ اسناد خط کے ساتھ منسلک ہیں۔

آپ کا فرماں بردار

(دستخط)

ذیشان اختر

۲۴/مارچ، 2026ء

6.5.3 کاروباری خطوط:

کاروباری خط کو تجارتی خط بھی کہا جاتا ہے۔ ایسے خطوط کی تجارتی معاملات میں بڑی اہمیت ہے۔ ان میں قرار نامہ، فرمائش، اطلاع، خرید و فروخت جیسے مسائل کی نشاندہی اور پیش کش ہوتی ہے۔ کمپنی کے اہلکار اور مینجمنٹ ایک دوسرے سے خط و کتابت کے ذریعے منسلک ہوتے ہیں۔ مختلف کمپنیاں، تجارتی ربط و ضبط کے لیے آپس میں خط و کتابت کو انجام دیتی ہیں۔ کاروباری خطوط کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ کوئی کمپنی اپنے منصوبے کے متعلق کھلے طور پر عوام سے خطاب کر سکتی ہے۔ کمپنیوں کے مابین قرار نامہ کو یقینی بنانے کے لیے بھی خط و کتابت سے کام لیا جاتا ہے۔ بعض اوقات صارفین بھی کمپنیوں سے خطوط کے ذریعے وابستہ ہوتے ہیں۔ اگر انھیں کسی پروڈکٹ کے متعلق شکایت ہوتی ہے تو وہ متعلقہ کمپنی کو خط لکھتے ہیں۔ ایسے خطوط، کاروبار کو فروغ دینے، شکایات کا ازالہ کرنے اور صارفین کو متفق و مطمئن کرنے کے لیے انتہائی کارآمد ہوتے ہیں۔ دراصل کاروباری خطوط کی حیثیت دستاویز کی ہوتی ہے۔ کمپنیوں کے مابین کسی مسئلے کے حل میں ایسے خطوط ثبوت کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ کاروباری خطوط رسمی ہوتے ہوئے بھی القاب و آداب کی کثرت سے پاک ہوتے ہیں۔ ان میں نفسِ مضمون پر خصوصی توجہ ہوتی ہے اور تصنع و بے جا طوالت سے گریز کیا جاتا ہے۔ ذیل میں کاروباری خط کا ایک نمونہ پیش کیا گیا ہے:

کاروباری خط کا نمونہ

جناب مینیجر صاحب!

الہند گارمنٹس پرائیویٹ لمیٹڈ

ہائی ٹیک سٹی، سائبر آباد

حیدرآباد۔500032

مکرمی !

آپ سے یہ عرض ہے کہ میری ' ایکسپورٹ انڈیا لمیٹڈ' نام کی ایک کمپنی ہے۔ جو گذشتہ دو دہائی سے گارمنٹس کے میدان میں درآمد و برآمد کی سرگرمیوں کو انجام دے رہی ہے۔ ہمارے یہاں ہر قسم کے ریڈی میڈ گارمنٹس تیار کیے جاتے ہیں جن کی فراہمی گھریلو بازار کے علاوہ بیرونِ ملک بھی کی جاتی ہے۔ ہماری کمپنی کی سالانہ خرید و فروخت دس کروڑ کی ہے۔ اس کمپنی کی شناخت وقت کی پابندی اور کپڑے کی عمدگی ہے۔

جیسا کہ مجھے علم ہے کہ آپ کی کمپنی جینس، شرٹ اور ٹی شرٹ میں تجارت کرتی ہے۔ ہمارے یہاں بڑے پیمانے پر مذکورہ گارمنٹس تیار کیے جاتے ہیں۔ اگر آپ ہم سے قرار کرتے ہیں تو بازار سے دس فیصد کم کی قیمت پر گارمنٹس کی سپلائی کی جاسکتی ہے۔ میری کمپنی کے ساتھ تجارتی معاہدہ آپ کے لیے انتہائی سود مند ثابت ہو گا اور ہم یہ بھی یقین دلاتے ہیں کہ آپ کو مستقبل میں کسی طرح کی کوئی شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔ شکریہ

(دستخط)

راشد فیصل

مینیجر، ایکسپورٹ انڈیا لمیٹڈ

۲۳/مارچ، 2026ء

6.5.4 اخباری خطوط:

اخبارات میں مدیر کے نام خط لکھنے کا عام چلن ہے۔ اخباری خطوط کو قارئین کے مراسلات کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ قارئین خطوط کے ذریعے مدیر کو اپنی رائے سے باور کراتے ہیں۔ الیکٹرانک میڈیا کے انتہائی فروغ کے باوجود اخبارات و جرائد کی مقبولیت آج بھی مسلّم ہے۔ قارئین بڑی پابندی کے ساتھ مدیر کو خط لکھتے ہیں۔ ایسے خطوط میں ذاتی، اجتماعی اور علاقائی مسائل کی نشاندہی ہوتی ہے۔ قارئین صرف انفرادی مشکلات کا اظہار نہیں کرتے بلکہ وہ قومی و بین الاقوامی معاملات پر بھی رائے پیش کرتے ہیں۔ وہ حکومت کی غیر موافق پالیسی اور ناکارکردگی کے خلاف بھی آواز بلند کرتے ہیں۔ ایسے خطوط کی اشاعت سے حکومتی محکموں کی تنقید ہوتی ہے جس کے سبب سرکاری کارکردگی میں اصلاح اور مسائل کے تدارک کو انجام دیا جاتا ہے۔ کچھ خطوط سماجی و اخلاقی ہوتے ہیں جن سے معاشرے میں محبت، بھائی

چارگی اور رواداری کو فروغ ملتا ہے۔ بعض خطوط ایسے عالمانہ اور فکر انگیز ہوتے ہیں کہ وہ قارئین کو غور وخوض اور اپنی رائے کو تبدیل کرنے پر آمادہ کرتے ہیں۔ کچھ خطوط ایسے ہوتے ہیں جن میں قارئین ایک دوسرے سے سوال وجواب کو انجام دیتے ہیں۔ وہ کبھی مخالفت میں لکھتے ہیں تو کبھی حمایت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ دراصل اخباری خطوط، عوامی مسائل کو اجاگر کرنے اور اظہارِ خیال کا موثر ذریعہ ہوتے ہیں۔ ان میں خصوصی طور پر عوامی دلچسپی کے موضوعات کو زیرِ بحث لایا جاتا ہے۔ ذیل میں اخباری خط کا ایک نمونہ پیش کیا گیا ہے:

اخباری خط کا نمونہ

جناب ایڈیٹر صاحب

روزنامہ منصف، حیدرآباد

السلام علیکم!

ہم آپ کے مؤقر اخبار کے ذریعہ حکومت کو آگاہ کرنا چاہتے ہیں کہ حسین آباد، حیدر نگر کے سرکاری کلینک کی حالت اس وقت انتہائی ابتر ہے۔ اس میں کسی مستقل ڈاکٹر کا تقرر نہیں ہے۔ کچھ ڈاکٹر عارضی طور پر ٹریننگ پوری کرنے کے لیے کبھی آجاتے ہیں۔ یہاں وقت کی پابندی اور حاضری کا قطعی خیال نہیں رکھا جاتا ہے۔ عام طور پر کلینک میں نرس اور کمپاؤنڈر ہی مریضوں کا علاج کرتے ہیں۔ کلینک میں دوائیں بھی نہیں ہوتیں، جس کی وجہ سے مریضوں کو دشواری کا سامنا رہتا ہے۔ یہاں کسی مرض کی جانچ کا بھی انتظام نہیں ہے۔ اس علاقے میں لوگوں کی مالی حالت ایسی نہیں کہ وہ پرائیویٹ ہاسپٹل میں اپنا علاج کرا سکیں۔ لہٰذا مریض دربدر بھٹکنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

حکومت سے گذارش ہے کہ مذکورہ کلینک میں کسی ڈاکٹر کا مستقل طور پر تقرر کیا جائے۔ یہاں دواؤں کی فراہمی اور جانچ لیب کے قیام کو بھی یقینی بنایا جائے۔ بلدیہ کے منتخب اراکین سے بھی التماس ہے کہ وہ عوام کی شکایات پر توجہ دیں اور کوئی مثبت قدم اٹھائیں۔ اگر وقت رہتے مسئلے کا کوئی حل نہیں نکلا تو عوام میں احتجاج پیدا ہو سکتا ہے۔ علاقائی نظم ونسق کے لیے ضروری ہے کہ شکایتوں کا جلد از جلد ازالہ ہو جائے۔ متعلقہ محکمے سے مثبت اقدام کی درخوست ہے۔ شکریہ۔

آپ کا مخلص!

حمدان بن وسیم

حسین آباد، حیدر نگر

۲۳/مارچ، 2026ء

6.6 اکتسابی نتائج

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ نے درج ذیل باتیں سیکھیں:

- خطوط، مکتوب نگار کی شخصیت، سیرت اور کردار کا آئینہ ہوتے ہیں۔

- خطوط، نصف ملاقات کے مترادف ہوتے ہیں اور ان میں مکالماتی طرزِ بیان کا اہتمام ہوتا ہے۔
- خطوط، احساسات و جذبات کے اظہار کا موثر ذریعہ ہوتے ہیں۔
- خطوط نویسی میں القاب و آداب کا استعمال مکتوب الیہ کی عظمت، عمر، پیشہ اور رشتے کی مناسبت سے کیا جاتا ہے۔
- نفسِ مضمون، خط نویسی کی روح ہے۔ مکتوب نگار اس میں اپنی زبان دانی اور فن کا مظاہرہ کرتا ہے۔
- خطوط نویسی میں مکتوب نگار اور مکتوب الیہ کے نام، مکمل پتہ اور تاریخ تحریر کا اندراج ضروری ہے۔
- ذاتی ، دفتری، کاروباری اور اخباری خطوط کے مابین فرق ہوتا ہے۔ ذاتی خطوط میں حسبِ ضرورت بے تکلفی اور سنجیدگی دونوں ہو سکتی ہیں، لیکن دیگر اقسامِ خطوط میں غیر رسمی تحریر سے گریز کیا جاتا ہے۔
- خطوط، سوانحی ادب کا حصہ ہوتے ہیں۔ ان سے مکتوب نگار کے سوانحی کوائف پر روشنی پڑتی ہے۔
- خطوط معاصر تاریخ کی دستاویز ہوتے ہیں۔ متعدد ایسے خطوط دستیاب ہیں جن میں تاریخی واقعات کا ذخیرہ موجود ہے۔ مورخ ایسے خطوط کو اپنی تحقیق کا ذریعہ بناتے ہیں۔
- خطوط کی ادبی اہمیت ہوتی ہے۔ ان میں ادب کا گراں قدر سرمایہ موجود ہے۔ خطوط نویسی کو ادبی صنف کی حیثیت حاصل ہے۔
- خطوط نویسی کی لسانی اہمیت بھی ہے۔ اس کے ذریعے اردو نثر کے فروغ پر روشنی پڑتی ہے۔ مشاہیر اردو کے متعدد ایسے خطوط ہیں ، جن میں اقسامِ نثر، تذکیر و تانیث اور روزمرہ و محاورات کے استعمال پر بحث کی گئی ہے۔
- خطوط نویسی میں مکتوب نگار اپنی انفرادیت اور انشاپردازی کا مظاہرہ کرتا ہے۔

6.7 کلیدی الفاظ

الفاظ	:	معنی	الفاظ	:	معنی
مکتوب	:	خط، نامہ، چٹھی	مکتوب الیہ	:	جس کے نام خط لکھا جائے
مکرم	:	بزرگ، محترم، معظم، معزز	مکالمہ	:	گفتگو، زبانی سوال و جواب
جنابِ عالی	:	حضور اعلیٰ، عالی جناب، حضرت سلامت	اعلیٰ تبار	:	اعلیٰ خاندان والا
برادرم	:	میرے بھائی	دوستِ من	:	میرے دوست
خیر اندیش	:	خیر خواہ، بھلائی چاہنے والا	اقسام	:	قسم کی جمع، مختلف قسم
انشاپرداز	:	مضمون نگار، نثر لکھنے والا، ادیب	مخدومی	:	بزرگ، آقا، مربّی، قابلِ تعظیم
آداب	:	ادب کی جمع، تعظیم سے سلام کرنا، تعظیمی الفاظ			
تسلیمات	:	تسلیم کی جمع، سلام، بندگی، آداب، کورنش			
التماس	:	گذارش، درخواست، التجا، عرض			

محترم : احترام کیا گیا، معزّز، واجب التعظیم، بزرگ

عزیزم : میرے پیارے، عمر میں چھوٹے فرد کا لقب

مخدومی : بزرگ، آقا، مربّی، قابلِ تعظیم

6.8 نمونۂ امتحانی سوالات

معروضی سوالات

1۔ خطوط نویسی میں 'مکتوب الیہ' کون ہوتا ہے؟

(A) جو خط لکھے (B) جس کو خط لکھا جائے (C) خط (D) لفافے کو

2۔ خطوط کی کتنی قسمیں ہوتی ہیں؟

(A) دو (B) تین (C) چار (D) پانچ

3۔ جس حصے میں اپنی کیفیت بیان کی جائے یا مکتوب الیہ کے حالات دریافت کیے جائیں، اسے کیا کہتے ہیں؟

(A) نفس مضمون (B) القاب (C) آداب (D) خاتمہ

4۔ ذیل میں سے خط کے اجزاء کی نشاندہی کیجیے۔

(A) دفتری خط (B) ذاتی خط (C) کاروباری خط (D) آداب

5۔ مکتوب کسے کہتے ہیں؟

(A) درخواست (B) مضمون (C) خط (D) عرضی

مختصر جوابات کے حامل سوالات

1۔ ذاتی خطوط پر ایک مختصر نوٹ لکھیے۔

2۔ اخباری خطوط کی خصوصیات بیان کیجیے۔

3۔ خط کی سوانحی اہمیت پر روشنی ڈالیے۔

4۔ خط کی تاریخی اہمیت پر ایک مختصر نوٹ لکھیے۔

5۔ خط نویسی کے عام اصولوں سے بحث کیجیے۔

طویل جوابات کے حامل سوالات

1۔ خط کی تعریف و تفہیم کے متعلق ایک نوٹ لکھیے۔

2۔ اردو میں خطوط نگاری کے فن سے بحث کیجیے۔

3۔ خط کے اجزائے ترکیبی پر روشنی ڈالیے۔

6.9 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1۔	مکتوباتِ اردو کا ادبی و تاریخی ارتقا	:	خواجہ احمد فاروقی
2۔	ادبی خطوطِ غالب	:	مرزا محمد عسکری
3۔	غالب کی مکتوب نگاری	:	پروفیسر نذیر احمد (مرتب)
4۔	مکتوب نگاری	:	ڈاکٹر مسکین علی حجازی
5۔	اردو میں ادبی خط نگاری کی روایت اور غالب:		ڈاکٹر بیگم نیلوفر احمد

معروضی سوالات کے جوابات

B۔1 C۔2 A۔3 D۔4 C۔5

اکائی7 : مضمون نگاری

اکائی کے اجزا

7.0 تمہید

7.1 مقاصد

7.2 مضمون کی تعریف، اجزااور اقسام

7.2.1 مضمون کی تعریف

7.2.2 مضمون کے اجزا

7.2.3 مضمون کے اقسام

7.3 مضمون کی خصوصیات اور مضمون نگاری کے اصول

7.3.1 مضمون کی خصوصیات

7.3.2 مضمون نگاری کے اصول

7.4 اردو میں مضمون نگاری کا ارتقا

7.5 مضمون اور انشائیہ کے مابین فرق

7.6 اکتسابی نتائج

7.7 کلیدی الفاظ

7.8 نمونۂ امتحانی سوالات

7.9 تجویز کردہ اکتسابی مواد

7.0 تمہید

''مضمون'' خیالات و نظریات کے تبادلے کی ایک بہترین اور مقبول صنف ہے۔اس کے ذریعے ذہن و افکار کی تشنگی و تشفی کا سامان فراہم کیا جاسکتا ہے۔اس صنف میں شعبہ ہائے حیات سے متعلق تمام تر موضوعات کو احاطہ ء تحریر میں لایا جاسکتا ہے اور کسی بھی موضوع پر منظم اور مدلل انداز میں معلومات فراہم کی جاسکتی ہیں۔اسی وجہ سے آج اس تیز رفتار اور آپادھاپی کے دور میں بھی سنجیدہ قارئین کی نظر میں اس صنف کی اہمیت اور مقبولیت اپنی جگہ قائم ہے۔

مضمون کی اہمیت اور افادیت کے پیش نظر اس اکائی میں مضمون کی تعریف ،اقسام اور اس کے مختلف اہم اجزاء، مضمون کی خصوصیات اور مضمون نگاری کے اصولوں پر روشنی ڈالی جائے گی۔ ساتھ ہی اردو ادب میں مضمون نگاری کے ارتقائی سفر کو بھی سمجھنے کی کوشش کریں گے۔ مضمون کی ایک قسم ' انشائیہ 'کی وضاحت اور دونوں کے باہمی فرق کو بھی واضح کریں گے۔ نیز مختلف اقتباسات کے توسط سے مضمون کی مختلف ہئیتوں اور اصولوں پر روشنی ڈالیں گے اور آخر میں اس اکائی میں بیان کردہ معلومات کی تلخیص یا اکتسابی نتائج پیش کیے جائیں گے۔

7.1 مقاصد

اس اکائی کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ

- مضمون کی تعریف، اقسام اور اس کے مختلف اجزاء سے متعارف ہو سکیں گے۔
- مضمون کی خصوصیات اور مضمون نگاری کے اصول سے واقف ہو سکیں گے۔
- اردو میں مضمون نگاری کے تاریخی ارتقا کو سمجھ سکیں گے۔
- مضمون اور انشائیہ کے مابین امتیاز قائم کر سکیں گے۔

7.2 مضمون: تعریف، اجزا اور اقسام

اردو زبان و ادب کی تاریخ پر نظر رکھنے والے جانتے ہیں کہ مضمون اور انشائیہ کی صنف تمام تر صحافت کی مرہون منت ہے اور سچ تو یہ ہے کہ اخبارات کے ساتھ مضمون نگاری کی بھی ابتدا ہوتی ہے۔ پھر چھاپے خانوں کی ایجاد اس صنف کو ترقی بخشنے اور مقبول بنانے میں اہم رول ادا کرتی ہے۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ اخبار میں صرف خبریں ہی نہیں شائع ہوتی ہیں بلکہ صاحب علم و بصیرت مضمون کے ذریعے زندگی کے مختلف شعبوں سے متعلق بھی معلومات فراہم کرتے ہیں۔ صرف اخبار ہی نہیں بلکہ مختلف دیگر تحریری وسائل کے ذریعے بھی خیالات و نظریات کی ترسیل ہوتی ہے۔ رسائل و جرائد میں شائع ہونے والے مختلف قسم کے مضامین یا موجودہ دور میں مضمون کی شکل میں لکھے جانے والے بلاگ وغیرہ اس کی بہترین مثالیں ہیں۔

7.2.1 مضمون کی تعریف:

تمام دوسری زبانوں کی طرح اردو زبان وادب میں بھی مضمون اور مضمون نگاری کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ اردو ادب کی زیادہ تر نثری اصناف دوسری زبانوں خاص کر انگریزی سے ماخوذ ہیں۔ مضمون اور مضمون نگاری کا فن بھی فرانسیسی اور انگریزی سے ہوتے ہوئے ہم تک پہنچا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ لاطینی لفظ Exigere بمعنی کوشش اور آموزش فرانسیسی زبان میں آیا اور وہاں Essayer یا Essai اس کے متبادل کے طور پر استعمال ہوا۔ Essayer یا Essai کے لفظی معنی بھی وہی ہیں جو Exigere کے ہیں۔ فرانسیسی زبان

کاEssayer یا Essai انگریزی میں Essay اور اردو میں مضمون کہلایا۔ اس صنف کے فرانسیسی موجد مائیکل دی مونتین (Michel De Montaingne 1533-1592) نے اپنے مضامین کو Essai کا نام دیا۔ جان فلوریو (John Florio) نے مائیکل دی مونتین کے Essai کا انگریزی میں ترجمہ کیا اور اسے Essays کا نام دیا۔ اسی ترجمہ سے متاثر ہو کر انگریزی میں مضمون نگاری کے بانی فرانسس بیکن نے Essay لکھنا شروع کیا۔ انگریزی زبان و ادب کا یہی Essay اردو میں مضمون کہلایا۔

مضمون کی تعریف کرتے ہوئے مائیکل دی مونتین نے لکھا کہ:

An attempt to put his thought into writing

دنیائے ادب کے مشہور مضمون نگار الڈوس ہکسلے (Aldous Huxley) نے مضمون کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

The essay is a literary device for saying almost everything about almost anything.

اسی طرح وہ مضمون کے حوالے سے مزید لکھتے ہیں کہ

" A Prose composition with a focused subject of discussion or a long systematic discourse"

پروفیسر سیدہ جعفر اپنی کتاب۔" اردو مضمون کا ارتقاء" میں لکھتی ہیں کہ

" Essay میں کسی موضوع کو منتخب کر کے ایک خاص نقطہ ء نظر سے اس پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔ اس لیے اس کو Essay کہتے ہیں"

مذکورہ بالا سطور کی روشنی میں ہم مضمون اس تحریر کو کہہ سکتے ہیں جس میں مضمون نگار کسی موضوع پر اپنے مخصوص خیال اور نقطہ ء نظر کو تسلسل، ترتیب اور ایجاز و اختصار کے ساتھ پیش کرتا ہے۔ تحریر کردہ موضوع کے متعلق مضمون نگار کی اپنی ایک سمجھ اور رائے ہوتی ہے اور اسی کی روشنی میں وہ اپنی تحریر یا مضمون کو منصہ ء شہود میں لاتا ہے اور کسی موضوع کے بارے میں نیا تناظر، نئی رائے، نیا حل، مشورے اور سفارشات پیش کرتا ہے۔ جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ مضمون نگار کسی بھی موضوع پر اظہار خیال کر سکتا ہے۔ اس کے لیے موضوع کی کوئی قید نہیں ہے۔ وہ شعبۂ زندگی سے متعلق کسی بھی موضوع پر اظہار رائے کر سکتا ہے، لیکن کسی بھی تحریر کے مضمون ہونے کے لیے جو شرائط ہیں ان میں بات یا نقطۂ نظر کو سلسلے وار، منطقی ربط کے ساتھ علی الترتیب پیش کرنا اور اسے پوری جامعیت کے ساتھ مختصراً بیان کرنا شامل ہیں۔ جب تک یہ شرائط کسی تحریر کا حصہ نہیں ہوں گی ان پر مضمون کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ یعنی مضمون وہی ہو گا جو مختصر تو ہو، لیکن موضوع کے تمام ممکنہ پہلوؤں کو محیط ہو نیز خاص ترتیب اور جامعیت کے ساتھ پیش کیا گیا ہو۔

ان شرائط کی تکمیل کے لیے ضروری ہے کہ مضمون کی زبان بالکل سادہ اور سلیس ہو۔ اپنے مخصوص خیال اور نقطہ ء نظر کو واضح انداز میں پیش کیا گیا ہو۔ مضمون میں کسی طرح کا ابہام نہ ہو۔ غیر ضروری مترادفات اور پیچیدہ تراکیب نیز موضوع اور مواد کو گنجلک بنا دینے والے طرز اظہار سے گریز کیا گیا ہو۔ تاکہ قاری مضمون کو بآسانی سمجھ سکے اور اس کے مطالعے سے مکمل طور پر مستفید ہو سکے۔

مضمون کو جامع اور مدلل بنانے کے لیے ضروری ہے کی موضوع سے متعلق مواد کی فراہمی کو یقینی بنایا جائے۔ جب تک تمام ممکنہ مواد اور مضمون کے مختلف پہلو اور نکات مضمون نگار کے پیش نظر نہیں ہوں گے وہ جامع اور مدلل انداز میں اپنے نقطہ ء نظر کے اظہار سے قاصر ہو گا۔ اس لیے مضمون نگار کے لیے ضروری ہے کہ وہ موضوع کے تحت آنے والے تمام ممکنہ مواد تک رسائی حاصل کرے اور ان کے

مطالعے اور تجزیے کے بعد اپنے نقطۂ نظر کے مطابق مضمون تحریر کرے۔ ورنہ اس کا مضمون اکہرا، مبہم، تشنہ اور غیر مدلل ہو گا اور پھر بدر جۂ مجبوری وہ لفظوں اور تراکیب کی کرتب بازی کا مظاہرہ کرے گا۔ اکہرا، مبہم، تشنہ اور غیر مدلل مضمون تحریر کرنے سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ زیادہ سے زیادہ مطالعہ کیا جائے اور متعلقہ مواد تک رسائی حاصل کی جائے۔ دستیاب انفارمیشن ٹکنالوجی کی متنوع اور وافر سہولیات کو بروئے کار لایا جائے۔ اور مضمون کو ہر نہج سے جامع اور مکمل بنانے کی کوشش کی جائے۔

7.2.2 مضمون کے مختلف اجزا:

اچھے مضمون کے لیے ضروری ہے کہ وہ مدلل، مربوط اور مختصر لیکن جامع ہو۔ اس میں کسی طرح کا ابہام اور بے جا طوالت نہ ہو۔ خیالات تسلسل کے ساتھ ترتیب وار منطقی انداز میں پیش کیے گئے ہوں۔ تاکہ قاری پر مضمون کے حقائق کی پرتیں منظم انداز میں کھلتی جائیں اور وہ مضمون سے کلی طور پر مستفید ہو سکے۔ ان مقاصد کا حصول اسی وقت ممکن ہے جب مضمون نگاری کے سائنسی پہلوؤں کو مد نظر رکھا جائے اور خیالات کا اظہار مربوط انداز میں مرحلہ وار کیا جائے۔ مضمون کے عموماً تین حصے یا تین مراحل ہوتے ہیں۔

1۔ تمہید یا تعارف 2۔ درمیانی حصہ یا نفس مضمون 3۔ اختتامی حصہ

1۔ تمہید یا تعارف:

کسی بھی مضمون کا تمہیدی یا تعارفی حصہ بہت اہم ہوتا ہے۔ اس حصے میں پہلے حکایت اور موضوع سے متعلق واقعات اور اشعار کے ذریعے قاری کی توجہ مضمون کی طرف متوجہ کرائی جاتی ہے۔ اس کے بعد موضوع کا پس منظر بیان کیا جاتا ہے تاکہ قاری موضوع سے متعارف ہو سکے اور پھر نفس مضمون میں زیر بحث آنے والے شواہد کا تعارف یعنی Thesis Statement پیش کیا جاتا ہے۔ عموماً اسی حصے کے مطالعے سے مضمون کے معیار اور اس کی اہمیت و افادیت کے بارے میں رائے قائم کر لی جاتی ہے۔ اگر قاری بادی النظر میں مضمون کی طرف راغب نہ ہو سکا یا مضمون میں دلچسپی قائم نہ کر سکا تو نفس مضمون کی طرف اس کی توجہ مبذول کرانا مشکل ہو گا۔ اس لیے ضروری ہے کہ تمہید یا تعارف اس طرح ہو کہ قاری مضمون کی طرف متوجہ ہو سکے اور پوری دلچسپی و انہماک کے ساتھ مضمون کے مطالعے پر آمادہ ہو سکے۔ اگر تمہید یا تعارف طول طویل، پھسپھسا اور غیر دلچسپ ہو گا تو پورا مضمون قاری کی عدم دلچسپی اور بے توجہی کا شکار ہو جائے گا۔ اس لیے مضمون کا تمہیدی اور تعارفی حصہ قاری کی دلچسپی اور انہماک کو انگیز کرنے اور پورے مضمون کے مطالعے پر آمادہ کرنے والا ہونا چاہیے۔

2۔ درمیانی حصہ یا نفس مضمون:

یہ مضمون کا سب سے اہم اور طویل حصہ ہے۔ یہاں نفس مضمون میں زیر بحث شواہد کا مکمل تعارف یعنی Thesis Statement پیش کیا جاتا ہے۔ مضمون نگار مختلف وضاحتوں، مثالوں، شواہد اور معاون تفاصیل سے Thesis Statement کو اور اپنے خیالات کو بیان کرتا ہے۔ تمہید یا تعارف میں جن نکات کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے درمیانی حصے میں اس کی پوری تفصیل موجود ہوتی ہے۔ یہ تفصیل پوری وضاحت اور تسلسل کے ساتھ مدلل انداز میں ترتیب وار موجود ہوتی ہے۔ اس حصے میں مضمون نگار اپنی تحریر سے متعلق مواد کا مطالعہ اور تجزیہ اس انداز میں پیش کرتا ہے کہ موضوع تشنہ نہ رہ جائے اور قاری کے سامنے تمام متعلقہ حقائق سامنے آجائیں اور وہ موضوع

کو تمام و کمال سمجھ سکے۔ مضمون کا یہ حصہ کافی وقیع ہوتا ہے۔ مضمون نگار اپنے گہرے مطالعے اور تجزیے کو یہاں بطور خاص بروے کار لاتا ہے اور نفس مضمون کو منفرد انداز میں پیش کرتا ہے۔ وہ اپنے انداز نظر اور مافی الضمیر کو اس طرح بیان کرتا ہے کہ مضمون لکھنے کا منشا قاری پر منکشف ہو سکے اور اس کے مطالعے سے قاری بھی نفس مضمون میں بیان کردہ نکات کو سمجھ سکے اور اس سے مستفید ہو کر اپنی رائے قائم کر سکے۔

3۔ اختتامی حصہ:

یہ حصہ مضمون کا آخری حصہ ہوتا ہے اور پہلے کے دونوں حصوں یا مراحل کا خلاصہ ہوتا ہے۔ تمہید یا تعارف میں جن نکات کی طرف اشارہ کیا اور نفس مضمون میں مضمون نگار نے جس مفروضے کی توجیہ اور تفسیر بیان کی تھی اور مختلف حوالوں کے مطالعے اور تجزیے کے بعد جو نتائج اخذ کیے تھے اختتامی حصے میں اس کی تلخیص پیش کی جاتی ہے۔ یہ پورے مضمون کا نچوڑ ہوتا ہے۔ اس حصے میں مضمون میں بیان کردہ نکات کو مختصراً بیان کر دیا جاتا ہے۔ یہ پورے مضمون کا ایک عمومی جائزہ یا قاری کے لیے تجویز، مشورے، سفارشات، دعوت عمل اور مصنف کی اپنی آرا ہوتی ہیں جو تحریری شکل میں مختصراً مضمون کے آخر میں درج کر دی جاتی ہیں۔ یہ قاری کو نیا تناظر، نئی بصیرت، نیا وِژن اور ترغیب فراہم کرتا ہے۔

7.2.3 مضمون کے اقسام:

مضمون ایک آزاد اور لچک دار صنف ہے۔ اس میں کسی بھی عنوان کے تحت اپنے خیالات کا منضبط طریقے سے اظہار خیال کیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ پہلے بتایا گیا ہے کہ شعبۂ حیات سے متعلق کسی بھی موضوع پر مضمون لکھا جا سکتا ہے۔ اس میں نہ تو موضوع کی قید ہوتی ہے اور نہ ہی اس کی نوعیت کی۔ مضمون نگار اپنی مرضی کے مطابق موضوع اور اس کی نوعیت کا انتخاب کرتا ہے۔ یعنی وہ مختلف مضامین کو مختلف انداز، مختلف اسلوب و نوعیت اور پیرائے اظہار میں پیش کرنے کے لیے آزاد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مضامین کئی طرح کے ہوتے ہیں۔ ان کی مختلف قسمیں ہوتی ہیں لیکن ان کے اقسام کی تعداد بالکل حتمی نہیں ہو سکتی ہے۔ کیوں کہ موضوع، مطلوبہ قاری، منشائے مصنف اور مضمون کی نوعیت اور اسلوب کے اعتبار سے اس کے اقسام کی تعداد مقرر کی جاتی ہے۔ عموماً طلبا کی سہولت کے لیے موضوع اور اسلوب یا نوعیت کے اعتبار سے مضمون کی زمرہ بندی کرتے ہیں۔

1۔ باعتبار موضوع　　2۔ باعتبار نوعیت یا اسلوب

1۔ باعتبار موضوع:

ایسے مضامین جن میں مواد کی اہمیت انداز پیش کش سے زیادہ ہو ان کی تقسیم موضوع کے اعتبار سے کی جاتی ہے۔ اس طرح کے مضامین میں بیان کردہ حقائق و نظریات کو اسلوب پر فوقیت حاصل ہوتی ہے اور تمام متعلقہ معلومات کو ترتیب و تسلسل کے ساتھ جامع انداز میں پیش کیا جاتا ہے۔ تاکہ قاری کو زیادہ سے زیادہ معلومات بہم پہنچائی جا سکیں۔ یہاں مضمون نگار کی کوشش ہوتی ہے کہ تمام متعلقہ معلومات و اطلاعات تک قاری کی رسائی ہو سکے اور وہ نئی اطلاعات و حقائق کی روشنی میں موضوع کو بہتر طریقے سے سمجھ سکے اور مستفید ہو سکے۔ عموماً

اس طرح کے مضامین کو علمی یا معلوماتی مضامین کہتے ہیں، لیکن با عتبار موضوع ان کو سائنسی، تاریخی، مذہبی، سماجی و معاشرتی، تہذیبی و ثقافتی، سیاسی اور ادبی مضامین کے زمروں میں رکھا جاتا ہے۔

i سائنسی مضامین: سائنس کی دنیا میں جو کچھ بھی وقوع پزیر ہو چکا ہے یا زیر تحقیق و تجربہ ہے ان پر سائنسی نقطہ ء نظر سے اظہار خیال سائنسی مضامین کے دائرے میں آتا ہے۔یعنی اس طرح کے مضامین میں سائنسی امور، تجربات اور تحقیقات کے بارے میں معلومات فراہم کی جاتی ہیں اور ان مضامین کی نوعیت سائنسی ہوتی ہے۔

ii تاریخی مضامین: اس طرح کے مضامین میں ماضی میں جو واقعات رونما ہوئے ہیں ان کو یاد کیا جاتا ہے، ان سے متعلق معلومات کو یکجا کر کے منظم انداز میں پیش کیا جاتا ہے۔یعنی ماضی کے واقعات کی بازیافت کی جاتی ہے اور ان واقعات کے بارے میں معلومات کی اپنے مخصوص نظریے کے مطابق ترتیب، توضیح اور توجیہہ کی جاتی ہے۔

iii مذہبی مضامین: اس طرح کے مضامین میں مقدس چیزوں پر ایمان ویقین، اس پر عمل اور اس کے متعلقات جیسے دینیات و اخلاقیات کے مختلف شعبوں کی تفسیر و تعبیر ہوتی ہے۔یعنی اس طرح کے مضامین مذہبی موضوعات پر مشتمل ہوتے ہیں۔

iv سماجی و معاشرتی مضامین: اس طرح کے مضامین میں سماج و معاشرے سے متعلق تمام موضوعات کو زیر بحث لایا جاتا ہے۔

v تہذیبی و ثقافتی مضامین: ایسے مضامین کا تعلق کسی ملک، سماج و معاشرے کے تہذیبی و ثقافتی عناصر سے ہوتا ہے۔

vi سیاسی مضامین: ایسے مضامین کا تعلق کسی ملک، سماج و معاشرے کے سیاسی عناصر سے ہوتا ہے۔

vii ادبی مضامین: اس طرح کے مضامین میں کسی زبان کے ادب پر اظہار خیال کیا جاتا ہے۔

2۔ مضامین باعتبار نوعیت یا اسلوب:

ایسے مضامین جن میں مواد کے علاوہ انداز پیش کش کی بھی اہمیت ہوتی ہے اور بیان کردہ حقائق و نظریات کے ساتھ اسلوب پر خاص توجہ دی جاتی ہے۔یہاں مواد و موضوع کے مطابق اسلوب نگارش زیر بحث ہوتا ہے اور یہ طے کرنے کی کوشش ہوتی ہے کہ مضمون کی نوعیت کیا ہے۔کیا اس میں بیان کردہ مواد تاثراتی نوعیت کا ہے یا تحقیقی، تنقیدی یا تجزیاتی نوعیت کا۔اختیار کردہ انداز پیش کش اور طرز بیان کے مطابق مضمون کی نوعیت طے ہوتی ہے۔اس طرح کے مضامین کی زمرہ بندی تحقیقی، تنقیدی، تجزیاتی، تشریحی، تاثراتی، سوانحی، اور تقابلی مضامین وغیرہ میں کی جاتی ہے۔

(i) تحقیقی مضامین: اس طرح کے مضامین میں حقیقت کی تلاش کی کوشش ہوتی ہے۔تمام دستیاب مواد کا تحقیقی نقطہ ء نظر سے جائزہ لے کر حقیقت تک پہنچنے اور صحیح نتائج اخذ کرنے کی ایماندارانہ کوشش ہوتی ہے۔

(ii) تنقیدی مضامین: تنقیدی مضامین میں زیر بحث موضوع کا مخصوص تنقیدی نقطہ ء نظر سے جائزہ لے کر اس کی خوبیوں اور خامیوں کو نشان زد کیا جاتا ہے۔

(iii) تجزیاتی مضامین: تجزیاتی مضامین میں کسی خاص موضوع کو زیر بحث لا کر اس کے مختلف اجزا کا تجزیاتی مطالعہ کرتے ہیں اور اس کی خوبیوں و خامیوں یا اس کے مثبت و منفی نکات کو اجاگر کرتے ہیں۔

(iv) تشریحی مضامین: تشریحی مضامین میں کسی موضوع کے قابل تشریح یا قابل وضاحت حصوں کو زیر بحث لایا جاتا ہے اور ان پر مفصل روشنی ڈالی جاتی ہے تاکہ موضوع کے تمام گوشے واضح ہو سکیں اور قارئین تک مفصل معلومات پہنچ سکیں۔

(v) تاثراتی مضامین: اس طرح کے مضامین میں مضمون نگار کسی موضوع سے متعلق اپنے تاثرات کو پیش کرتا ہے۔ یعنی کسی متن کے مطالعے کے بعد مضمون نگار پر جو شخصی اور ذاتی تاثر قائم ہوتا ہے وہ اس کو بے کم و کاست لکھ دیتا ہے۔

(vi) سوانحی مضامین: سوانحی مضامین میں مختلف میدانوں سے تعلق رکھنے والی یا اہم خدمات انجام دینے والی شخصیات کے حالات زندگی اور ان کے احوال و کوائف کو موضوع بنایا جاتا ہے۔

(vii) تقابلی مضامین: تقابلی مضامین میں دو یا دو سے زائد چیزوں، تہذیبوں، شخصیتوں، نظریات و خیالات وغیرہ کے درمیان موازنہ و تقابل کرتے ہیں اور دونوں کی خوبیوں و خامیوں یا ان کے مثبت و منفی نکات کو تقابلی انداز میں اجاگر کرتے ہیں

7.3 مضمون کی خصوصیات اور مضمون نگاری کے اصول

7.3.1 مضمون کی خصوصیات :

کسی صنف یا شئے کی فنی تعریف میں اس کی متعلقہ خصوصیات بھی پوشیدہ ہوتی ہیں۔ اسی طرح مضمون کی بیان کردہ تعریف سے اس کی متعلقہ خصوصات کی بھی وضاحت ہوتی ہے۔ اگر ہم پچھلے صفحات میں مضمون کی پیش کردہ تعریف پر غور کریں تو اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مضمون میں نکات و حقائق کو

☆ سلسلے وار ☆ علی الترتیب ☆ منطقی ربط ☆ مدلل ☆ ایجاز و اختصار اور ☆ جامعیت

کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔ اس طرح ہر پیراگراف سے مرکزی خیال کی توسیع و توضیح ہوتی ہے۔ سبھی پیراگراف باہم مربوط ہوتے ہیں اور مضمون نگار کے مطمح نظر کو جامع و مانع انداز میں پیش کر رہے ہوتے ہیں۔ اچھے مضمون میں قاری کے متوقع و ممکنہ سوالوں کا جواب بھی ہوتا ہے۔ نکات و حقائق کو صحیح تناظر میں دلائل و شواہد کے ساتھ منظم و منطقی انداز میں پیش کیا جاتا ہے۔ مجوزہ موضوع سے متعلق دستیاب مواد کا تنقیدی و تجزیاتی مطالعہ کیا جاتا ہے اور استفادہ کردہ مواد، نظریات اور مکتبہء فکر کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ اچھے مضمون نگار سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ مضمون کو دل چسپ، مدلل، معلومات افزا اور بصیرت افروز بنانے کے لیے مضمون نگاری کے اصولوں کو مد نظر رکھے۔

7.3.2 مضمون نگاری کے اصول:

مضمون نگاری دراصل ایک آرٹ ہے جس میں مہارت حاصل کرنے کے لیے مسلسل مطالعے اور تحریری مشق کی ضرورت ہوتی ہے۔ اپنے خیالات و نظریات کی عمدہ پیش کش کے لیے ضروری ہے کہ مضمون نگار کا مطالعہ وسیع اور متنوع ہو۔ اس کے پاس ذخیرۂ معلومات کے ساتھ ساتھ ذخیرۂ الفاظ بھی موجود ہو۔ جس موضوع پر لکھنا چاہتا ہے اس پر اب تک تحریر کردہ مواد پر اس کی نظر اور موضوع سے متعلق دستیاب مواد تک رسائی ہو نیز ذرائع ابلاغ کے موجودہ وسائل سے مستفید ہونے کی اہلیت ہو۔ بہر کیف مضمون نگاری کے چند اصول بیان

کیے جارہے ہیں جنہیں ملحوظ رکھنا ازبس ضروری ہے۔

☆ کسی موضوع پر لکھنے سے قبل اس سے متعلق ایک خاکہ بنا کر اس کے مختلف پہلوؤں پر غور وخوض کرنا۔

☆ موضوع سے متعلق تمام دستیاب مواد تک رسائی حاصل کرنا اور ان کی چھانٹ پھٹک کرنا۔

☆ غیر ضروری مواد اور بے جا تفصیل سے گریز کرنا۔

☆ مضمون کے تینوں مراحل یعنی تمہید، نفس مضمون اور اختتام کے تقاضوں اور شرائط کو ملحوظ رکھنا۔ کس مرحلے یا کس پیراگراف میں کون سی بات کہنی ہے اور کس طرح کہنی ہے اس کا خیال رکھنا۔

☆ تمام مواد ایک ہی پیراگراف یا مرحلے میں پیش نہ کرنا بلکہ مناسب سیاق وسباق میں ہی مواد کو بروے کار لانا اور ضروری معلومات بہم پہنچانا۔

☆ مختلف نظریات اور مکتبۂ فکر سے استفادہ کرنا۔

☆ استفادہ کردہ حوالوں کا ذکر کرنا۔

☆ اپنی بات اور نقطۂ نظر کو دوٹوک اور مدلل انداز میں پیش کرنا۔

☆ سلیس، سادہ، آسان اور پر اثر زبان کا استعمال کرنا

☆ لفاظی سے گریز کرنا

☆ مضمون کا پہلا مسودہ (ڈرافٹ) تیار ہونے کے بعد اس پر ایک سے زائد بار تنقیدی نظر ڈالنا۔

☆ ممکن ہو تو باعلم لوگوں سے استفادہ کرنا اور ان کے مناسب مشوروں کو اپنے مضمون میں شامل کرنا۔

☆ اشاعت سے قبل اس پر نظر ثانی کرنا اور ضروری ترمیم واضافہ کرنا۔

☆ ایک سے زائد بار اس کے پروف چیک کرنا۔

7.4 اردو میں مضمون نگاری کا ارتقا

اردو میں مضمون نگاری کا آغاز دہلی کالج کے ہفتہ واری رسالے "قران السعدین" سے ہوا۔ 1845 میں الواس اسپرنگر (Alios Sperenger) کی سربراہی میں اس ہفتہ واری رسالے کو جاری کیا گیا۔ دہلی کالج کے طلبا کو مختلف موضوعات دیے جاتے اور وہ اپنی استعداد کے مطابق اس ہفتہ واری بالتصویر رسالے کے لیے مضامین لکھتے۔ اس میں شائع ہونے والے زیادہ تر موضوعات کا تعلق سائنس اور تاریخ سے ہوتا تھا، لیکن دھیرے دھیرے اس کے موضوعات میں تنوع آتا گیا اور نئے نئے موضوعات پر مضامین قلم بند کیے جانے لگے۔ اس طرح اہل قلم نے اردو ادب میں مضمون نگاری کی روایت کی داغ بیل ڈالی۔

مضمون نگاری کی روایت کی داغ بیل ڈالنے والوں میں دہلی کالج کے نامور استاد ماسٹر رام چندر کا نام بہت اہم اور نمایاں ہے۔ انھوں نے سائنسی، ادبی اور سماجی مضامین قلم بند کیے۔ اردو مضمون نگاری کی تاریخ میں ان کی سرپرستی اور ادارت میں شائع ہونے والے دور سالوں

" فوائد الناظرین" اور " محب ہند" کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ ماسٹر رام چندر نے 1845 میں "" فوائد الناظرین" کا اجرا کیا۔ اس رسالے میں سائنس، عالمی تاریخ، آرٹ، آثار قدیمہ، فن تعمیر، حیاتیات، نباتیات اور طبیعیات کے علاوہ سماجی، سیاسی، سوانحی، اخلاقی واصلاحی مضامین شامل ہوتے تھے۔ 1847 میں ماسٹر رام چندر نے ایک دوسرا رسالہ "خیر خواہ ہند" کا اجرا کیا لیکن ایک ماہ بعد نام کی مماثلت کے باعث اس کا نام بدل کر " محب ہند" کر دیا۔ " فوائد الناظرین" اور " محب ہند" میں شائع ہونے والے مضامین کی نوعیت اور موضوعات میں یکسانیت تھی۔ گرچہ ان دونوں رسالوں کے مضامین سائنسی، جغرافیائی، معاشرتی، تاریخی، سیاسی، سوانحی، اخلاقی واصلاحی تھے، لیکن ان میں استعمال ہونے والی زبان صاف وشفاف، سادہ وسلیس تھی۔ ان کے معانی ومطالب کو آج بھی آسانی سے سمجھا جاسکتا ہے۔ اس طرح اردو میں مضمون نگاری کا آغاز دہلی کالج کے ہفتہ واری رسالے " قران السعدین" اور ماسٹر رام چندر کے دونوں رسالوں " فوائد الناظرین" اور " محب ہند" میں شامل مضامین سے ہوا۔

دہلی کالج کے نامور اساتذہ نے اس صنف کی داغ بیل ڈالی اور کسی حد تک اس کی سمت کا بھی تعین کیا لیکن سرسید تحریک بہت سی نثری اصناف جیسے سوانح نگاری، انشائیہ نگاری، ناول نگاری اور تاریخ وتنقید کے ساتھ ساتھ مضمون نگاری کے لیے بھی ہراول دستہ ثابت ہوئی۔ اس تحریک نے صرف مضمون نگاری کی سمت کا واضح تعین ہی نہیں کیا بلکہ اس کی رفتار کو بھی مہمیز کیا۔ یہ سرسید تحریک کا ہی فیضان ہے کہ آج اردو زبان وادب کے پاس مختلف مضامین کا ایک وقیع ذخیرہ موجود ہے۔ بقول شخصے

> " مضمون نگاری کا دائرہ جب آگے بڑھتا ہے تو سرسید احمد خاں کا نام نمایاں نظر آتا ہے جنھوں نے رسالہ تہذیب الاخلاق میں دینی، سیاسی، ادبی، سائنسی، معاشرتی غرض یہ کہ ہر قسم کے مضامین لکھ کر اور اپنے رفقاء کار سے مضامین لکھوا کر مضمون نویسی کو وقت کی اہم ضرورت بنا دیا۔"

سرسید احمد خاں نے اپنے تعلیمی اور اصلاحی مشن کی تبلیغ واشاعت اور اس کو عملی جامہ پہنانے کے لیے مضمون نویسی کے فن کو بطور آلہء کار استعمال کیا۔ انھوں نے تفسیری وفلسفیانہ مضامین کے ساتھ تحقیقی، تنقیدی واصلاحی مضامین کی طرح ڈالی۔ اس مقصد کے لیے جاری کردہ ان کے رسالے " تہذیب الاخلاق" میں علمی، نفسیاتی، سائنسی، تحقیقی، تنقیدی، اصلاحی، مذہبی، معاشرتی، فلسفیانہ اور سیاسی مضامین شائع ہوئے۔ یہ مضامین علمی متانت، دلائل وتاویل سے آراستہ ہیں۔ ان مضامین کی زبان صاف وشفاف، سادہ وسلیس ہے۔ ان کے انداز بیان میں سادگی، بے تکلفی اور بے ساختگی ہے اور وہ لفاظی، تصنع، مبالغہ اور ابہام سے پاک ہے۔ سرسید احمد خاں نے طویل اور مختصر دونوں طرح کے مضامین لکھے۔ ان کے مذہبی، تفسیری وفلسفیانہ مضامین عموماً طویل ہوتے ہیں۔ جیسے علامات قرآن وغیرہ۔ جب کہ ادبی واصلاحی مضامین نسبتاً مختصر ہوتے ہیں۔ جیسے تعصب، تعلیم وتربیت، کاہلی، خوشامد، بحث وتکرار، اپنی مدد آپ، امید کی خوشی، خود غرضی اور قومی ہمدردی وغیرہ۔ سرسید احمد خاں کے ان مختصر مضامین کو ناقدین ادب مضمون کے زمرے میں تو رکھتے ہیں کیوں کہ یہ مضمون کی تعریف کے عین مطابق ہیں اور ان میں ایجاز واختصار کے ساتھ مرکزی خیال بھی پایا جاتا ہے، لیکن ان کے طویل مضامین کو مضمون کے زمرے میں شامل کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ بہر کیف یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ سرسید احمد خاں نے ہی معیاری نثر کی بنیاد رکھی اور نثر نگاری کے بنیادی اصولوں کی اتباع کی۔

سر سید احمد خاں کے بعد مولانا الطاف حسین حالی نے مضمون نگاری کے باب میں سب سے اہم رول ادا کیا۔ حالی کی خدمات صرف مضمون نگاری تک محدود نہیں ہیں بلکہ انھوں نے اردو میں باضابطہ سوانح نگاری اور تنقید نگاری کی طرح بھی ڈالی۔ انھوں نے ''تہذیب الاخلاق'' ''علی گڈھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ''کالج میگزین،''معارف''،''روداد ندوۃ العلما''میں مذہب، اخلاقیات، تعلیم، سماجی سیاسی اور ادبی مسائل پر اعلا قسم کے مضامین لکھے۔ رفقائے سر سید کی طرح ان کے بھی اسلوب میں سادگی، بے تکلفی، منطقیت اور استدلال پایا جاتا ہے۔ حالی کی خاص بات یہ ہے کہ وہ اپنی نثر کو تمام جذبات سے محفوظ رکھتے ہیں۔

سر سید تحریک کی نہایت ہی اہم شخصیت علامہ شبلی نعمانی کی ہے۔ علمیت اور اعتدال پسندی ان کا خاصہ ہے۔ انھوں نے سیرت، تاریخ و تنقید کے ذریعے علم و ادب کی بیش بہا خدمت کی۔ ان کے مضامین آٹھ جلدوں میں شائع ہو چکے ہیں جن میں ایجاز و اختصار کے ساتھ علمیت، عظمت، صراحت و وضاحت، قطعیت و استدلال، اعتماد اور ٹھہراو پایا جاتا ہے۔ طنز بھی ہے لیکن کوئی بھی لفظ، فقرہ یا ضرب المثل ابتذال کے دائرے میں داخل نہیں ہوتا ہے۔ عہد سر سید کے دوسرے اسلامی اسکالرس کی طرح ان کا بھی طرز تقابل اور مناظرے کا رنگ لیے ہوئے ہے۔ قدیم و جدید، مشرق و مغرب، ندوہ علی گڈھ اور مذہب و سائنس کا وہ تقابل کرتے ہیں اور پختہ کارانہ و عالمانہ انداز میں ان پر مدلل و مستند مضامین قلم بند کرتے ہیں۔ اس کے باوجود ان کے طرز کی دل کشی، خیال و الفاظ کی سادگی اور اثر پزیری برقرار رہتی ہے اور تحریر کا حسن کسی طور زائل نہیں ہوتا ہے۔

سید مہدی علی معروف بہ محسن الملک نے بھی اپنے مضامین کے ذریعے سر سید تحریک اور مضمون نگاری کی روایت کو فروغ دیا۔ نئی تعلیم و تہذیب کی وکالت کی۔ پوری معروضیت و منطقیت سے اپنی بات کو بیان کیا۔ ان کا طرز اسلوب رواں، بے ساختہ اور مدلل ہوتا ہے۔ انھوں نے بہت سے تمثیلی مضامین بھی لکھے۔ ''سودیشی تحریک'' اور ''موجودہ علوم کی شبیہ'' وغیرہ اس طرح کے مضامین کی بہترین مثالیں ہیں۔

'' تہذیب الاخلاق'' کے لکھنے والوں میں ایک اہم نام چراغ علی کا بھی ہے۔ انھوں نے اپنے مضامین میں مختلف مذاہب کا تقابلی مطالعہ پیش کیا۔ سر سید احمد خاں کا عہد ادیان کے تقابل اور تسلط سے بھی عبارت ہے۔ اس لیے اس عہد میں مناظرے خوب ہوا کرتے تھے۔ چراغ علی ان مناظروں کا سرگرم حصہ تھے اس لیے ان کی تحریروں میں بھی مناظرانہ انداز ہوتا تھا اور ان کے انداز میں منطقیت، استدلال اور علمیت پائی جاتی تھی۔ ان کے اسلوب پر سر سید کی چھاپ نظر آتی ہے یعنی ان کا بھی طرز تحریر سادہ اور سلیس ہے جیسا کہ ''احساس عام'' وغیرہ مضامین سے واضح ہوتا ہے۔

مشتاق حسین معروف بہ وقار الملک کی ادبی حیثیت ایک مترجم اور مضمون نگار کی ہے۔ سماجی و سیاسی پیچیدگیاں، الجھنیں اور آویزش ان کے پسندیدہ مضامین تھے۔ ان مضامین پر ان کے خیالات کافی فکر انگیز اور بصیرت افروز ہوتے تھے۔ یہ انگریزوں کے سخت مخالف لیکن جدید سائنسی اور مغربی علوم کے حامی و موید تھے۔ زمانے کے برعکس ان کی زبان ادق اور غیر مانوس فارسی و عربی الفاظ سے پاک ہے۔ جن لوگوں نے مضمون نگاری کے ارتقا میں اہم رول ادا کیا ان میں ایک قابل ذکر نام وقار الملک کا بھی ہے۔

سر سید تحریک سے وابستہ ایک اہم شخصیت مولوی ذکاء اللہ کی ہے۔ انھوں نے بھی مضمون نگاری کے ذریعے سر سید مشن کی توسیع و

تبلیغ میں نمایاں رول ادا کیا۔ ان کے مختلف رسالوں اور اخباروں میں شائع شدہ بے شمار مضامین اور ضخیم کتابیں مضمون نگاری کے فن کو فروغ دینے کا بین ثبوت ہیں۔ ان کے مضامین " تہذیب الاخلاق"، "علی گڈھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ" ، "مخزن" زمانہ" اور رسالہ حسن میں مستقل شائع ہوتے اور اہل علم سے داد و تحسین حاصل کرتے تھے۔

میر ناصر علی خاں کی اصل شہرت مضمون نگاری کے باعث ہے۔ انھوں نے اوائل عمری سے ہی مضمون نگاری میں اپنا جوہر دکھانے کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ کئی اخباروں اور رسالوں کی ادارت کی اور "تیرہویں صدی"، "زمانہ" اور "صلائے عام" جیسے پرچوں کی اشاعت کی۔ انھوں نے ان رسالوں کے ذریعے بھی مضمون نگاری کے ارتقا میں اہم رول ادا کیا۔ ان کے مضامین کافی مشہور تھے اور ان کے بارے میں یہ بات کہی جاتی تھی کہ یہ نثر میں شاعری کرتے ہیں۔

دہلی کالج اور پھر سرسید اور ان کے رفقاء کے بعد جن لوگوں نے مضمون نگاری کے ارتقا میں کلیدی رول ادا کیا ان میں "اودھ پنچ" (اخبار) اور اس وابستہ شخصیات کی خدمات بہت اہم ہیں۔ یہ اخبار منشی سجاد حسین کی ادارت میں لکھنؤ سے شائع ہوتا تھا۔ مچھو بیگ ستم ظریف، تربھون ناتھ سحر، سید محمد آزاد، جوالا پرشاد اور پنڈت رتن ناتھ سرشار وغیرہ جیسے مضمون نگاروں کی ایک کہکشاں اس اخبار سے وابستہ تھی ۔ ان مضمون نگاروں نے ہندوستانی تہذیب و ثقافت کی حمایت اور مغربی تہذیب و ثقافت کی مخالفت کو اپنا نصب العین سمجھا۔ ہندوستانی علوم و فنون اور یہاں کے بود و باش اور سیاسی تحریک "کانگریس" کی حمایت اور سرسید تحریک کی نکتہ چینی کو بھی بنیادی موضوعات میں شامل کیا اور اپنے سماجی، تہذیبی، اخلاقی اور سیاسی نظریات کی دفاع میں بہترین مضامین قلم بند کیے۔ یہ اخبار اور اس سے وابستہ شخصیات اپنے زبردست سماجی، تہذیبی، اخلاقی اور سیاسی شعور، حالات کی غیر معمولی آگاہی اور طنزیہ و مزاحیہ انداز میں ان کی پیش کش کے باعث کافی مشہور ہوئیں اور مضمون نگاری کی روایت کو فروغ دینے میں کلیدی رول ادا کیا۔

"اودھ پنچ" کے بعد مضمون نگاروں کا ایک اور طبقہ سامنے آتا ہے۔ ابھی تک جو مضامین لکھے جاتے تھے۔ ان کا تعلق حقیقی اور عملی دنیا سے تھا لیکن مضمون نگاروں کا نیا طبقہ ادب برائے ادب کا قائل، رومانیت کا دلدادہ اور حقیقت سے زیادہ خیالی اور اٹوپیائی دنیا کا اسیر تھا۔ اس لیے ان کے مضامین میں حقیقت سے زیادہ رومانی و سحر انگیزی، سادگی سے زیادہ رنگینی اور استدلال سے زیادہ ابہام کے عناصر موجود تھے۔ رومانیت پسندی کے تحت قلم بند کیے مضامین بقول شخصے:

> "۔۔۔ اپنی شعریت، سحر انگیزی، رنگینی، مٹھاس اور تابناکی کے اعتبار سے اچھے مضامین سمجھے جاتے ہیں۔۔۔ ان مضامین میں ادب لطیف اور فلسفے کا حسین امتزاج ہے۔ ان مضامین نے جدید تراکیب، اچھوتی ساختوں، اظہار کے تازہ پیکروں اور ترسیل کے نئے سانچوں کو متعارف کرایا ہے"۔

سجاد حیدر یلدرم، مہدی افادی اور سجاد انصاری وغیرہ کے مضامین اس کی بہترین مثالیں ہیں۔

آزادی سے قبل یعنی بیسویں صدی کے نصف اول میں مضمون نگاری کے فن نے کروٹ لی اور ترقی کے کئی مدارج طے کیے۔ اس عہد میں تاریخی، تہذیبی، سیاسی اور معاشی و معاشرتی موضوعات پر بے شمار تحقیقی و تنقیدی مضامین لکھے گئے، جو فنی اعتبار سے مکمل و مستحکم اور

معیار کے اعتبار سے کافی بلند تھے۔ماسٹر رام چندر، سر سید احمد خان، شبلی، حالی اور دیگر اصحاب قلم نے مضمون نگاروی کی جس شاندار روایت کی بناڈالی تھی بیسویں صدی کے نصف اول میں اس تناور درخت میں مزید برگ و بار آئے۔ ملکی حالات اور سماجی و سیاسی ضرورتوں کے پیش نظر اعلاپائے کے علمی و تحقیقی مضامین لکھے گئے۔ مضمون نگاری کو بھی دوسرے اصناف کی طرح ہندوستان کی جدوجہد آزادی کی آواز اور آلہء کار بنا گیااور ادب برائے زندگی کی عملی صورتیں پیش کی گئیں۔اس دوران بہت سے جرائد و رسائل بھی شائع ہوئے جن کا بنیادی مقصد صرف عوام کی ذہن سازی، سیاسی بیداری اور عصری آگہی نہیں بلکہ انگریز حکومت کی غاصبانہ اور جابرانہ پالیسیوں کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنا، حکومت کو متنبہ کرنااور آخر کا جابر انگریز حکومت سے نجات حاصل کرنا بھی تھا۔ سر سید تحریک اور اودھ پنچ اخبار کے سیاسی شعور اور حالات کی غیر معمولی آگہی کی روایت کی جن لوگوں نے توسیع کی،مقتضائے حال کے مطابق بنایااور مضمون نگاری کے ذریعے اس کی ترویج و اشاعت کی ان میں مولانا ابوالکلام آزاد(الہلال، البلاغ)، مولانا محمد علی جوہر(کامریڈ، ہمدرد) ظفر علی خاں(زمیندار)اور عبدالماجد دریا بادی(صدق)وغیرہ بہت اہم ہیں۔ ان شخصیات نے اپنے رسائل و جرائد کے ذریعے مختلف موضوعات پر گراں قدر مضامین قلم بند کیے اور سماجی، سیاسی، تہذیبی اور مذہبی ضرورتوں کی تکمیل کے ساتھ ساتھ صحافت کے توسط سے مضمون نگاری کے فن کو بھی معراج بخشا۔

7.5 مضمون اور انشائیہ کے مابین فرق

7.5.1 انشائیہ کی تعریف:

مضمون کی ہی ایک قسم انشائیہ ہے جس کو" انشائے لطیف"، "لطیف پارہ" یا "مضمون لطیف "بھی کہتے ہیں۔انگریزی میں اس کے متبادل کے لیے 'Personal Essay"اور"Light Essay کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔ انشائیہ اردو ادب کی ایک جدید اور متنازعہ صنف ہے۔ اس میں انشائیہ نگار کسی موضوع سے متعلق اپنے ذہنی ترنگ اور شخصی رد عمل کا شگفتہ، غیر رسمی اور غیر منطقی انداز میں مسرت بہم پہچانے کے لیے اظہار کرتا ہے۔ انشائیہ میں موضوع، ہئیت، طوالت اور طریق کار کی کوئی قید نہیں ہوتی ہے۔ انشائیہ نگار کسی بھی موضوع پر اپنے احساسات و تاثرات کو غیر سلسلے وار، غیر مدلل اور غیر منطقی انداز میں آزادہ روی کے ساتھ پیش کرتا ہے۔ اس طرح وہ اشاروں اشاروں میں ہلکے پھلکے انداز میں فکر و فلسفے کے نئے تناظرات، نئے معانی اور نئے حقائق بھی دریافت کرتا اور اپنے انداز میں "دوسرا کنارا" دکھانے کی کوشش کرتا ہے۔ ویسے بھی انشائیہ میں معلومات کی نہیں تاثرات کی، علمیت کی نہیں مسرت کی، سادگی کی نہیں شگفتی کی اہمیت ہوتی ہے۔ انشائیہ کی تعریف کرتے ہوئے پروفیسر محمد یسین لکھتے ہیں کہ

> "انشائیہ ادب لطیف کی وہ صنف ہے جسے عام طور پر ہلکے پھلکے ادب (Light Literature) سے منسوب کرتے ہیں۔ یعنی جس میں انشاپردازی کا مقصود علمی وادبی یا سماجی اصلاح نہیں بلکہ محض نشاطی اور انبساطی ہے۔ مقالہ نگاری کی سنجیدگی کے بغیر بھی ایک کامیاب انشاپرداز محض اپنی انفرادیت کے بل بوتے پر اپنے فن میں وہ کمال کر سکتا ہے جو دوسروں کو بہ آسانی نصیب نہیں ہوتا۔"

بقول ڈاکٹر جانسن؛

" انشائیہ ایک ذہنی ترنگ ہے جس میں بے ترتیب، غیر منضبط اور ناپختہ خیالات کا اظہار ہوتا ہے۔"

مذکورہ بالا تعریف کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ مضمون کے برعکس انشائیہ کا ہر پیرا گراف خود مکتفی اور مکمل ہوتا ہے۔(اس لیے انشائیہ کو غزل بھی کہتے ہیں) اس کے باوجود اچھا انشائیہ ریزہ خیالی کا شکار نہیں ہوتا ہے بلکہ کسی نہ کسی طور پر ابتداء سے لے کر آخر تک ان میں کوئی نہ کوئی ربط ضرور ہوتا ہے۔

7.5.2 مضمون اور انشائیہ کے مابین فرق:

عرصے تک مضمون اور انشائیہ ایک ہی سمجھے جاتے تھے۔اس لیے دونوں کے مابین امتیاز قائم کرنا آسان نہیں تھا۔ مضمون اور انشائیہ کے مابین واضح فرق نہ ہونا اور انشائیہ کیا ہے کیا نہیں ہے کی بحث کا بے نتیجہ ہونا اس کے متنازع ہونے کی اصل وجہ تھی، لیکن وقت کے ساتھ ناقدین نے مضمون اور انشائیہ کے باہمی فرق کو تسلیم کیا اور دونوں کے امتیازات کو واضح کرنے کی کوشش کی۔اب مضمون اور انشائیہ کے مابین امتیازیات کو درج ذیل نکات کے ذریعے بآسانی سمجھا جاسکتا ہے۔

مضمون	:	**انشائیہ**
موضوع مخصوص	:	موضوع کی کوئی قید نہیں
سلسلہ وار	:	غیر سلسلہ وار
خاص ہئیت	:	کسی بھی ہئیت
مدلل	:	غیر مدلل
منطقی ربط	:	غیر منطقی ربط
رسمی طریق کار	:	غیر رسمی طریق کار
عالمانہ انداز	:	شگفتہ انداز
معلومات کی فراہمی	:	مسرت کی فراہمی
زبان سادہ و سلیس	:	زبان شگفتہ و شاعرانہ
تکمیل کا احساس	:	عدم تکمیل کا احساس

7.6 اکتسابی نتائج

اس اکائی کو پڑھنے کے بعد آپ نے درج ذیل باتیں سیکھیں؛

- لاطینی زبان کا Exiger فرانسیسی میں Essayer یا Essai کہلایا، جسے انگریزی میں Essay اور اردو میں مضمون کا نام دیا گیا۔

- مائیکل دی مونتین کو فرانسیسی زبان میں، فرانسس بیکن کو انگریزی زبان میں مضمون نگاری کا بانی سمجھا جاتا ہے۔ جب کہ اردو میں اس کا سہرا ماسٹر رام چندر اور سر سید احمد خان کے سر ہے۔ انشائیہ کی طرح مضمون کا آغاز بھی صحافت کے مرہون منت ہے۔ چھاپے خانوں کی ایجاد نے ان اصناف کو مزید ترقی بخشی اور مقبول بنایا۔
- مضمون افکار و خیالات کے تبادلے کا ایک بہترین آلہء کار ہے، جس کے ذریعے احساسات و افکار کی تشفی کا سامان فراہم کیا جاتا ہے۔ مضمون میں نکات و حقائق کو سلسلے وار، علی الترتیب، منطقی ربط، مدلل، ایجاز و اختصار اور جامعیت کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔ اس کے ہر پیراگراف سے مرکزی خیال کی توسیع و توضیح ہوتی ہے۔ سبھی پیراگراف باہم مربوط ہوتے ہیں اور مضمون نگار کے مطمح نظر کو جامع و مانع انداز میں پیش کر رہے ہوتے ہیں۔
- مضمون کی زبان سادہ، سلیس، مربوط اور غیر مبہم ہوتی ہے۔ مضمون میں غیر ضروری مترادفات، پیچیدہ تراکیب نیز موضوع و مواد کو گنجلک بنا دینے والے طرز اظہار کی گنجائش نہیں ہوتی ہے۔
- مضمون تین حصوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ (۱) تمہید یا تعارف (۲) درمیانی حصہ یا نفس مضمون (۳) اختتامی حصہ
- تمہیدی حصے میں موضوع کا پس منظر اور نفس مضمون میں زیر بحث آنے والے شواہد کا تعارف اس انداز سے پیش کیا جاتا ہے کہ قاری پورے موضوع کے مطالعے پر آمادہ ہو سکے اور تعارفی کلمات سے مضمون کی اہمیت و افادیت اس پر عیاں ہو سکے۔
- مضمون کا درمیانی حصہ یا نفس مضمون سب سے اہم اور طویل ہوتا ہے۔ یہاں نفس مضمون میں زیر بحث شواہد کا مکمل تجزیہ ہوتا ہے جس میں مضمون نگار اپنے وسیع مطالعے اور جامع تجربے کو بروئے کار لاتا ہے۔ جب کہ اختتامی حصے میں پہلے کے دونوں مراحل کا خلاصہ بیان ہوتا ہے۔
- مضمون نگار اپنی مرضی کے مطابق موضوع اور اس کی نوعیت کا انتخاب کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مضامین کئی طرح کے ہوتے ہیں۔ طلبا کی سہولت کے لیے موضوع اور اسلوب یا نوعیت کے اعتبار سے مضمون کی زمرہ بندی کی جاتی ہے۔ جیسے سائنسی مضامین، تاریخی مضامین، دینی مضامین، ادبی مضامین، تحقیقی مضامین، تنقیدی مضامین، تجزیاتی مضامین، تشریحی مضامین وغیرہ۔
- مضمون نگاری دراصل ایک آرٹ ہے جس میں مہارت حاصل کرنے کے لیے مسلسل مطالعے اور تحریری مشق کی ضرورت ہوتی ہے۔ مضمون نگار جس موضوع پر لکھنا چاہتا ہے اس پر اب تک تحریر کردہ مواد پر اس کی نظر اور موضوع سے متعلق دستیاب مواد تک اس کی رسائی ہو نیز ذرائع ابلاغ کے موجودہ وسائل سے مستفید ہونے کی اہلیت ہو۔ مضمون نگاری کے کچھ اصول ہیں جنہیں ملحوظ رکھنا از بس ضروری ہے۔
- اردو میں مضمون نگاری کا آغاز دہلی کالج کے ہفتہ واری رسالے " قران السعدین" اور ماسٹر رام چندر کے دونوں رسالوں " فوائد الناظرین" اور " محب ہند" میں شامل مضامین سے ہوا
- سر سید تحریک بہت سی نثری اصناف کے ساتھ مضمون نگاری کے لیے بھی ہراول دستہ ثابت ہوئی۔ اس تحریک اور اس سے وابستہ شخصیات جیسے حالی، شبلی، چراغ علی، محسن الملک، وقار الملک وغیرہ نے صرف مضمون نگاری کی سمت کا واضح تعین ہی نہیں کیا بلکہ اس

کی رفتار کو بھی مہمیز کیا۔

- اودھ پنچ سے وابستہ قلم کاروں اور رومانیت کے دلدادہ شخصیات کے مولانا ابوالکلام آزاد(الہلال،البلاغ)،مولانا محمد علی جوہر (کامریڈ،ہمدرد) ظفر علی خاں(زمیندار)اور عبدالماجد دریا بادی(صدق) وغیرہ نے اپنے رسائل و جرائد کے ذریعے مختلف موضوعات پر گراں قدر مضامین قلم بند کیے اور صحافت کے توسط سے مضمون نگاری کے فن کو بھی معراج بخشا۔
- مضمون کی ہی ایک قسم انشائیہ ہے۔ یہ اردو ادب کی ایک جدید اور متنازعہ صنف ہے جس میں انشائیہ نگار کسی بھی موضوع پر اپنے احساسات و تاثرات کو غیر سلسلے وار، غیر مدلل اور غیر منطقی انداز میں آزادہ روی کے ساتھ پیش کرتا ہے۔ مضمون اور انشائیہ دو الگ الگ صنف ہیں اور ان دونوں کے مابین واضح فرق موجود ہے۔

7.7 کلیدی الفاظ

الفاظ	:	معنی	الفاظ	:	معنی
تشنگی	:	پیاس، آرزو، شدت	وقیع	:	معزز، بلند مرتبہ
انگیز کرنا	:	برداشت کرنا، اٹھانا، ابھارنا	مرہون منت	:	احسان مند، شکر گزار
ایجاز واختصار	:	مختصر، چھوٹا	منکشف	:	کھلا، عیاں، ظاہر
قطعیت	:	بے شک وشبہ، مکمل	منصہ شہود	:	ظاہر ہونے کی جگہ، منظر عام
بازیافت	:	کھوئی ہوئی چیز کی دست یابی، پھر ملنا	داغ بیل ڈالنا	:	کسی کام کی ابتدا کرنا، شروع کرنا
ہراول دستہ	:	وہ فوجی ٹکڑی جو کل لشکر کے آگے ہو	ثرپزیری	:	اثر قبول کرنا
معروضیت	:	حقیقی اور خارجی اشیانہ کے داخلی جذبہ کو مد نظر رکھنا			

7.8 نمونہ امتحانی سولات

معروضی سوالات

1۔ انگریزی زبان کا لفظ "ایسے"(Essay) اردو میں کس نام سے جانا جاتا ہے؟

(A) درخواست (B) خطوط (C) عرضی (D) مضمون

2۔ مضمون کے کس جزو میں Thesis Statement کی تفصیل ہوتی ہے؟

(A) نفس مضمون (B) تمہید (C) اختتامی حصہ (D) کوئی نہیں

3۔ "فوائد الناظرین" کب جاری ہوا تھا؟

1840 (A) 1830 (B) 1845 (C) 1850 (D)

4۔ "صلائے عام" کے مدیر کون تھے؟

(A) سرسید (B) حالی (C) شبلی (D) میر ناصر علی

5۔ اردو میں مضمون نگاری کا آغاز کس رسالے سے ہوا؟

(A) قران السعدین (B) فوائد الناظرین (C) خیر خواہِ ہند (D) محب ہند

مختصر جوابات کے حامل سوالات

1۔ مضمون کی تعریف کیجیے۔

2۔ سرسید تحریک سے وابستہ چند مضمون نگاروں کے بارے میں لکھیے۔

3۔ مضامین شبلی کی خصوصیات بیان کیجیے۔؟

4۔ اودھ پنچ میں شائع ہونے والے مضامین کی خصوصیات مختصراً بیان کیجیے۔

5۔ انشائیہ کسے کہتے ہیں؟

طویل جوابات کے حامل سوالات

1۔ مضمون نگاری کے اصول وضوابط بیان کیجیے۔

2۔ مضمون اور انشائیے کے فرق کو واضح کیجیے۔

3۔ اردو میں مضمون نگاری کے آغاز وارتقا پر ایک نوٹ لکھیے۔

7.9 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1۔ اردو اسیز ظہیر الدین مدنی

2۔ اردو میں ادبی نثر کی تاریخ ڈاکٹر طیبہ خاتون

3۔ مضمون نگاری کا ارتقا پروفیسر سیدہ جعفر

معروضی سوالات کے جوابات

D۔1 A۔2 C۔3 C۔4 A۔5

اکائی 8 : انشا پردازی

اکائی کے اجزا

8.0	تمہید
8.1	مقاصد
8.2	انشا پردازی کے معنی و مفہوم
8.3	انشا پردازی کا فن اور اصول
8.4	انشا پردازی کے نمونے
8.5	اکتسابی نتائج
8.6	کلیدی الفاظ
8.7	نمونہ امتحانی سوالات
8.8	تجویز کردہ اکتسابی مواد

8.0 تمہید

انسان اپنے مافی الضمیر کو گفتگو اور تحریر کے ذریعے بیان کرتا ہے۔ جس طرح گفتگو کے کچھ آداب و اصول ہوتے ہیں جن کو ملحوظ خاطر رکھنے سے ترسیل و ابلاغ میں کوئی دشواری نہیں ہوتی اسی طرح تحریر جسے انشا اور عبارت بھی کہتے ہیں اس کے اپنے اصول ہیں۔ جن سے واقفیت بہت ضروری ہے۔ اس اکائی میں فن انشا پردازی پر گفتگو کی گئی ہے اور اردو کے معروف انشا پردازوں کی تحریروں کو بطور نمونہ پیش کیا گیا ہے تاکہ آپ ان کا مطالعہ کرکے ان سے محظوظ ہوں۔ اس طرح سے لکھنے کی مشق کرکے اچھی عبارت لکھنا سیکھ لیں اور محنت و ریاضت سے اپنے آپ کو اس قابل بنائیں کہ اپنے احساسات و جذبات، تجربات و مشاہدات، افکار و خیالات کو موثر انداز میں بیان کر سکیں۔

8.1 مقاصد

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- فن انشا پردازی پر گفتگو کر سکیں گے۔

- انشا پردازی کے اصولوں پر اظہار خیال کر سکیں گے۔
- صحیح عبارت تحریر کر کے اپنے مافی الضمیر کو بیان کرنے کے ہنر سے واقف ہو سکیں۔
- مشق کے ذریعے اپنی غلطیوں اور کمیوں کو درست کرنا سیکھ سکیں۔
- انشا پردازی کے اصولوں کی روشنی میں اپنی تحریروں کو خوبصورت و دلکش بنا سکیں۔

8.2 انشا پردازی کے معنی و مفہوم

انشا پردازی عبارت آرائی کا نام ہے۔ انشا پردازی اور انشائیہ نگاری میں فرق ہے۔ انشا پردازی لکھنے کا فن ہے جبکہ انشائیہ غیر افسانوی ادب کی ایک صنف ہے۔ انشائیہ ایک ایسی صنف ادب ہے جس میں انشائیہ نگار اپنے شخصی تاثرات و خیالات کو بے تکلفانہ اور غیر رسمی انداز میں بیان کرتا ہے۔ انشائیہ نگار ایک مخلص دوست کی طرح اپنی آشفتہ بیانی سے باتوں باتوں میں کام کی بات بتا دیتا ہے اور آگے بڑھ جاتا ہے۔ انشائیہ نگار حکیمانہ فکر و فلسفہ کو بھی لطافت کی چاشنی میں گھول کر پیش کرتا ہے جس سے اس کی خشکی خوشگواری میں بدل جاتی ہے۔ لفظ انشائیہ انشاء سے مشتق ہے انشائیہ کی صنف وجود میں آنے سے قبل انشا اور انشا پردازی کے الفاظ اردو میں رائج رہے ہیں۔ فرہنگِ آصفیہ میں انشا کے یہ معنی بیان کیے گئے ہیں:

1۔ کچھ بات دل سے پیدا کرنا

2۔ عبارت، تحریر

3۔ علم معانی و بیان، صنائع و بدائع، خوبی، عبارت، طرز تحریر

4۔ وہ کتاب جس میں خط و کتابت سکھانے کے واسطے ہر قسم کے خطوط جمع ہوں۔

5۔ لیٹر بکس، چٹھیوں کی کتاب

سید محمد حسنین اس لفظ کے ادبی مفہوم کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"انشاء کا مادہ نشا(نشء) ہے' جس کے لغوی معنی " پیدا کرنا" ہے یعنی انشاء کی علت غایت 'زائیدگی' ہے یا ' آفریدگی '
انشا کی توانائی دراصل خیال کی تازگی و تنومندی سے ظاہر ہوتی ہے۔ انشا کی قوت سے بات میں معنویت پیدا ہوتی ہے اور خیالات کی لہریں نکلتی ہیں " (سید محمد حسنین۔ صنف انشائیہ اور انشائیے)

لفظ انشاء کے ادبی مفہوم کی مقبولیت سے قبل لغوی معنوں میں عبارت اور تحریر کے روز مرہ زندگی میں یہ لفظ عام تھا اس ضمن میں ڈاکٹر وحید قریشی لکھتے ہیں کہ

> "انشاء کا لفظ ابتداء میں ایک دفتری اصطلاح تھا۔ اس کا اطلاق سرکاری فرامین اور مکتوبات کے رف ڈرافٹ پر ہوتا تھا اور صاف شدہ مسودہ کو تحریر کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ جس محکمہ کے سپرد" مسودہ" تیار کرنے کا کام ہوتا تھا اس نے " دیوان الانشا" کا نام پایا۔ رفتہ رفتہ فرامین اور مکتوبات کی

تحریر و ترتیب کے لیے انشاء کا لفظ مستعمل ہو گیا۔ درباداری کے زیر اثر فارسی نثر میں نثر سادہ کے پہلو بہ پہلو مصنوع (نثر رنگین) ساسانی دور ہی سے رائج ہو چکی تھی۔ یہی نثر احکام و فرامین اور مکتوبات کی زبان قرار پائی۔ اس نثر میں خطابت کا عنصر جزوِ اعظم تھا۔ اس سے انشاپردازی کی وہ نہج وجود میں آگئی جس کو ہم انشائیہ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔"

(ڈاکٹر وحید قریشی، اردو کا بہترین انشائی ادب)

فارسی زبان کے سرکاری زبان بن جانے کے بعد یہ عربی لفظ نہ صرف روزمرہ کی تحریروں کے معنوں میں رائج ہوا بلکہ لفظ انشاء کو عبارت آرائی کا جو مفہوم ملا وہ بھی فارسی ادب کا مرہونِ منت ہے۔ ڈاکٹر وحید قریشی رقمطراز ہیں۔

"نویں صدی ہجری تک فارسی میں نثر مکتوبات کے علاوہ نثر مصنوع کے فن پاروں کے لیے انشاء کا لفظ رائج ہو چکا تھا جس میں کسی خاص موضوع کو لے کر اس کے گرد نثر نگار اپنے جذبات و احساسات کا تارِ عنکبوت بنتا جاتا تھا۔ اردو نثر کا آغاز ہوا تو ادباء کے سامنے نثر ہی کے نمونے تھے اردو کا انشائی ادب تخلیق ہوا تو اس پر فارسی کے انشائی ادب کا گہرا اثر پڑا۔ یہ قدیم انشائی ادب مرحوم دلی کالج کی تاسیس کے بعد تک برابر چلتا رہا"

(ڈاکٹر وحید قریشی، اردو کا بہترین انشائی ادب)

ہم نے دیکھا کہ لفظ انشا نے کئی ارتقائی مراحل طے کیے ہیں ابتدا میں وہ ایک دفتری اصطلاح کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ پھر سرکاری فرامین اور مکتوبات کے مسودے کے فرسٹ ڈرافٹ کو انشا کہا جانے لگا۔ آگے چل کر خطوط نگاری کے فن کو سکھانے کے لیے تیار کی جانے والی کتابوں کو انشا کا نام دیا گیا۔ فارسی ادب کے زیر اثر لکھنے کے فن کے لیے انشا کا لفظ مختص ہو گیا۔

8.3 انشاپردازی کا فن اور اصول

انشاپردازی ایک فن ہے۔ انشاپردازی اس کا نام ہے کہ ہم الفاظ کو باہم اس غرض سے ملائیں کہ ہمارے خیالات اوروں پر ظاہر ہو جائیں۔ اچھی انشاپردازی وہ ہے کہ ہمارے خیالات کو ایسی صفائی اور خوش اسلوبی کے ساتھ اوروں تک پہنچادے کہ وہ ان کی سمجھ میں جلدی اور آسانی سے آجائیں۔

انشاپردازی کی مثال اس طرح ہے کہ جب ہم کوئی عمارت بناتے ہیں تو پہلے اس سے متعلق اشیاء' جیسے اینٹ، سیمنٹ، ریت، پتھر وغیرہ جمع کرتے ہیں اور پھر ایسی خوش اسلوبی سے ان کو باہم جوڑتے ہیں کہ عمارت خوشنما معلوم ہو۔ اسی طرح کسی مضمون کو لکھنے کے لیے پہلے موضوع کا انتخاب کرتے ہیں پھر اس پر غور و فکر کرتے ہیں اس کے اظہار کے لیے الفاظ جمع کرتے ہیں اور پھر ان کو کاغذ پر اتارتے وقت درست طور سے باقاعدہ اس طرح ترتیب دیتے ہیں کہ جس سے ایک عبارت ایسی بن جائے کہ جس کے معنی درست و چست ہوں۔

انشاپردازی یا مضمون نگاری علم و ادب کا ایک غیر معمولی جزو اور خاص فن ہے۔ اسی فن کے ذریعے انسان اپنی علمی و ادبی، تمدنی و

معاشرتی، مذہبی و تاریخی اور ہر قسم کی معلومات کو دوسروں تک پہنچا سکتا ہے۔ اگر انسان کو لکھنے کا اچھا سلیقہ ہو تو وہ اپنے خیالات کو ایسے موثر انداز میں پیش کر سکتا ہے کہ جس سے پڑھنے والوں کے دل متاثر ہو جائیں اور یہی لکھنے والے کی کامیابی کا ثبوت ہے۔

بہت سے پڑھے لکھے لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کو بعض علوم اور فنون میں بڑی مہارت ہوتی ہے لیکن ان کو لکھنا نہیں آتا جس کی وجہ سے وہ اپنے خیالات و تجربات اور علمی معلومات کو دوسروں تک نہیں پہنچا سکتے، اس طرح ان کا علم غیر مفید سی چیز ہو کر رہ جاتا ہے۔

اچھی عبارت وہ ہے جس میں املا اور انشا کا کوئی عیب نہ ہو۔ جملہ لفظوں سے بنتا ہے جملوں سے عبارت بنتی ہے۔ اچھی عبارت کے لیے ضروری ہے کہ جملے درست ہوں بے عیب ہوں۔ قواعد کی رو سے جملے کا صحیح ہونا ضروری ہے۔ کسی بھی عبارت کو خوبصورت اور با معنی بنانے کے لیے الفاظ کا انتخاب نہایت اہم مرحلہ ہوتا ہے۔ لفظوں کے استعمال کے لیے انھیں اچھی طرح جاننا ضروری ہے۔ لفظ کا صحیح املا کیا ہے۔ اس کے معنی کیا ہیں، جملے میں اس لفظ کو کس طرح استعمال کیا جانا چاہیے۔

صحیح املا کا مطلب یہ ہے کہ لفظ کو اس طرح لکھا جائے جس طرح لکھا جانا چاہیے۔ املا کی تعریف اس طرح بھی کی گئی ہے کہ۔"املا لفظوں کی صحیح تصویر کھینچنا ہے" لفظ کے صحیح املا کے لیے مندرجہ ذیل باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

1۔ کسی لفظ میں جن حروف کو آنا چاہیے، وہی لکھے گئے ہوں۔ جیسے۔"طائر" کو "تائر" لکھا جائے تو کہا جائے گا کہ یہ املا غلط ہے، لفظ "وارث" کو 'س' کے ساتھ " وارس" یا 'ص' کے ساتھ " وارص" نہیں لکھ سکتے اس لفظ کا صحیح املا 'ث' کے ساتھ ہی لکھا جانا درست قرار دیا جائے گا۔

2۔ لفظ میں حروف کو جس ترتیب کے ساتھ آنا چاہیے اسی ترتیب کے ساتھ لکھا جائے جیسے ایک لفظ " منہہ" اس میں میم کے بعد نون ہے اور اس کے بعد ہ ہے۔ اگر اسے " مہنہ" لکھا جائے، تو اسے غلط املا کہا جائے گا۔

3۔ نقطے صحیح جگہ لگائے جائیں۔ نقطہ کی غلطی لفظ کے املے کو بدل دے گی اور جملے میں غلط لفظ کے آجانے سے عبارت کے معنی و مفہوم میں تبدیلی آجائے گی۔ ایک نقطہ خدا سے جدا اور دعا کو دغا بنا دے گا۔

4۔ جو حروف ملا کر لکھے جاتے ہیں، ان کے جوڑ ٹھیک ہوں اور ان کی صورت بھی ٹھیک ہو۔ جس سے لفظ خوبصورت بھی لگے گا اور پڑھنے والوں کو دِقت بھی نہیں ہو گی۔

انشا پردازی میں املا کی درستگی کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے۔ یہ جملہ دیکھئے "بزرگ انسان نے کہا کہ والدین کی جائیداد میں شادی شدہ لڑکی کو بھی ترکا دینا چاہئے"۔ اس جملے میں املے کی غلطی ہے ترکا الف پر نہیں ہائے مختفی پر ختم ہوتا ہے ترکہ صحیح املا ہے۔ دوسرا جملہ دیکھئے "عید سے قبل خواتین خریداری کر رہیں تھیں" اس جملے میں فعل صحیح صورت میں نہیں آیا درست جملہ یوں ہو گا "عید سے قبل خواتین خریداری کر رہی تھیں"۔ یا یہ جملہ دیکھیے 'کتابیں الماری میں رکھی ہوئیں ہیں" اس میں بھی فعل کی غلطی ہے صحیح جملہ اس طرح لکھا جائے گا "کتابیں الماری میں رکھی ہوئی ہیں"۔

انشا پردازی میں الفاظ کے انتخاب کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ الفاظ کے معنی و مفہوم، اس کے مترادفات، متضاد الفاظ کا علم ہونا بھی

ضروری ہے تاکہ ضرورت کے لحاظ سے ان کا استعمال کیا جاسکے۔ اس کے لیے ذخیرۂ الفاظ کو بڑھانا بہت ضروری ہے۔ ذخیرۂ الفاظ ہی وہ قدرت عطا کرتا ہے کہ جس سے ایک پھول کے مضمون کو سو ڈھنگ سے باندھا جاسکتا ہے۔

اردو میں کچھ ہم آواز حروف موجود ہیں۔ ہم آواز حروف سے مراد ایسے حروف ہیں جن کی شکلیں تو الگ الگ ہیں لیکن آواز ایک جیسی ہے۔ مثلاً ذ، ز، ض، ظ یہ چار حروف الگ الگ ہیں جب ہم انھیں الفاظ میں استعمال کرتے ہیں تو ان چاروں کی آواز ایک جیسی معلوم ہوتی ہے جیسے یہ الفاظ پڑھ کر دیکھیے: ذائقہ ، زمین ، ضمانت ، ظاہر۔ یہاں اس بات کو ذہن نشین کر لینا ہے کہ اردو میں بہت سے الفاظ عربی اور فارسی کے موجود ہیں یہ الفاظ اپنے ساتھ اپنا املا بھی لے کر آئے ہیں انھیں ویسا ہی لکھا جانا چاہیئے جیسا وہ اصل زبان میں لکھے جاتے ہیں۔ ایک اور بات قابل توجہ ہے کہ کچھ حروف کا تلفظ عربی میں مختلف ہے جیسے ذ اور ض۔ اردو میں آکر ان کا املا تو وہی رہا لیکن تلفظ میں اردو زبان کے قاعدے قانون نے اپنا عمل جاری کیا اردو میں ان دونوں حروف کا تلفظ ایک جیسا ہی ہے۔ اردو میں املا کا یہی قاعدہ ہے اور طلبا کو لفظ کے حروف کو یاد رکھنا ہو گا کیونکہ صحیح حروف سے صحیح لفظ بنے گا اور اس سے معنی و مفہوم کی ادائیگی ہو گی جو منشائے مصنف ہے۔

عبارت میں قواعد، روز مرہ محاورہ نہایت اہمیت کے حامل ہیں۔ مثلاً اگر کوئی یہ لکھے کہ ''زید بہت کاہل انسان ہے محنت نہیں کرتا بیٹھ کر کھائے تو قارون کی دولت بھی کافی نہیں ہوتی''۔ اس جملے میں قارون کی دولت غلط محاورہ ہے صحیح محاورہ قارون کا خزانہ ہے۔ یا کوئی یہ کہے کہ '' گرمی کی شدت اتنی زیادہ ہے کہ پیاس بڑھتی جارہی ہے حالانکہ ابھی میں نے ایک گلاس آب پیا ہے۔'' اس جملے میں روز مرہ کی غلطی ہے آب پینا صحیح روز مرہ نہیں ہے اہل زبان پانی پینا کہتے ہیں اس لیے ''پانی پیا'' لکھنا چاہیے۔ روز مرہ کا مطلب اس طرح لکھنا یا بولنا جس طرح معیاری اردو میں بولتے لکھتے ہیں۔ اچھی عبارت بے عیب ہونے کے ساتھ اپنے حسن بیان کی دلکشی بھی رکھتی ہے۔ ایک ہی بات کو مختلف طرح سے بیان کیا جاسکتا ہے۔ تھوڑا سا دھیان دینے اور مشق کرنے سے اچھی نثر لکھنے کا سلیقہ سیکھا جاسکتا ہے۔

اچھی عبارت لکھنے کی مشق کرنے کے لیے ایسا کیا جاسکتا ہے کہ ایک ہی جملے کو دو تین طرح سے لکھ کر دیکھئے۔ ایک دو بار لفظوں کی ترتیب بدل دیجئے۔ ایک دو لفظوں کو نکال دیجئے یا ایک دو لفظوں کو بدل کر دیکھئے۔ آپ کو محسوس ہونے لگے گا کہ ایک ہی جملے کی ان کئی شکلوں میں سے کوئی ایک صورت ایسی بھی ہے جو دوسری صورتوں سے بہتر معلوم ہوتی ہے۔ اس میں اس بات کا بھی خیال رکھنا ضروری ہے کہ جو مطلب آپ ادا کرنا چاہتے ہیں وہ اس جملے سے ادا ہو رہا ہے یا نہیں۔ جملے میں لفظوں کی ترتیب کو بدل کر مفہوم کے ساتھ ساتھ اس کے حسن اور دلکشی کو بھی بڑھایا جاسکتا ہے۔

اچھی نثر کی ایک خوبی روانی ہے۔ جملہ لکھنے کے بعد اسے بار بار پڑھ کر دیکھا جائے کہ کہیں کوئی لفظ ایسا تو نہیں ہے جس سے جملے کی ادائیگی میں رکاوٹ آرہی ہو یا ادا کرنے میں زبان رکنے لگے۔ جیسے یہ جملہ دیکھیے ''کمرے کی کھڑکیوں کے ساتھ ساتھ ذہن کی کھڑکیاں بھی کھولو جس سے کمرے کے ساتھ ساتھ دماغ بھی روشن ہو جائے گا''۔ ایک ہی جملے میں کھڑکیوں اور کھڑکیاں کے آنے سے روانی متاثر ہو رہی ہے۔'' کمرے کے ساتھ ساتھ ذہن کے دریچے بھی کھولیں تاکہ دماغ بھی روشن ہو جائے۔'' اس جملے میں روانی اور آہنگ کا احساس ہوتا ہے اور کم سے کم الفاظ میں مطلب واضح ہو گیا ہے۔

جملے دو طرح کے ہوتے ہیں: مفرد، مرکب۔ مرکب جملے وہ ہوتے ہیں جو دو یا زیادہ مفرد جملوں سے مل کر بنے ہوں۔ لمبے لمبے

جملوں میں یہ خرابی پیدا ہو جاتی ہے کہ زائد الفاظ شامل ہو جاتے ہیں اور یہ بھی ہوتا ہے کہ مفہوم کی تکرار ہو جاتی ہے کہ ایک ہی بات کو بار بار کہا جاتا ہے۔ ایک تنقیدی مضمون سے یہ جملہ ملاحظہ ہو۔

"مرزا عبد القادر بیدلؔ، مرزا غالبؔ اور مرزا یاس یگانہ چنگیزی کی روایات فکر و فن کے امین، کلاسیکی زبان و ادب سے استادانہ واقفیت اور اپنے وسیلۂ اظہار پر مکمل دسترس رکھنے والے، تجزیہ و تفتیش کے مراحل سے گزر کر اپنے پیرایۂ بیان کو زیادہ سے زیادہ شخصی، انفرادی اور مکمل بنانے والے، زمان و مکان کے مسائل کو عشق و وجدان کے تناظر میں قلم بند کرنے والے شاعر نے اردو غزل میں کیسے کیسے گراں قدر اشعار کا اضافہ کیا ہے جن کی کیفیت سدا بہار ہے۔ جن کی لطافت و اثر آفرینی قائم و دائم ہے۔"

یہ ایک جملہ ہے' اس قدر لمبا جملہ طبیعت پر گراں گزرتا ہے اور مفہوم بھی واضح نہیں ہوتا۔ اس لیے مختصر جملے لکھنے چاہیے۔ چھوٹے چھوٹے جملوں سے عبارت چست ہوتی ہے بیان میں سادگی و صفائی منشائے مصنف کو واضح طور پر پیش کرتی ہے۔ عربی اور فارسی کے الفاظ کا کم سے کم استعمال جملوں میں روانی پیدا کرتا ہے۔

انشا پردازی میں عبارت کی صحت اور حسن پر گفتگو ہوتی ہے۔ انشا کی صحت کے تحت مختلف چیزیں آتی ہیں۔ جیسے جملے کی ساخت، قواعد کی پابندی جیسے افعال' فعل، فاعل، مفعول، تذکیر و تانیث، واحد جمع، ضمیر، صفت، اضافت، واوِ معدولہ، واوِ عطف، الف مقصورہ، سابقہ ولاحقہ کا استعمال وغیرہ تحریر کو درست اور بہ معنی بناتا ہے۔

رموز واو قاف کے استعمال سے واقفیت بھی انشا پردازی کے فن کو نکھار سکتی ہے۔ رموز رمز کی جمع ہے، رمز اصول کو کہتے ہیں اور اوقاف جمع ہے وقفہ کی یعنی ٹھہراؤ، جملے میں ٹھہراؤ کے اصول کو رموز واو قاف کہتے ہیں۔ تحریر میں ان علامتوں کا عدم استعمال جملوں کو گنجلک اور ناقابلِ فہم بنا سکتا ہے اور کبھی کبھی فقرے یا جملے کے پورے پورے معنی متضاد رنگ اختیار کر سکتے ہیں۔ اس لیے رموز واو قاف کی علامتوں کے استعمال کو اتنی ہی اہمیت دینے کی ضرورت ہے جتنی کہ دیگر اجزا کو دی جاتی ہے۔ ذیل میں رموز واو قاف کی علامتیں اور ان کے محل استعمال کی تفصیل دی جا رہی ہے۔

نام	علامت	تعریف	استعمال	جملوں میں استعمال
سکتہ	،	مختصر ترین ٹھہراؤ	جملہ میں مختلف اسما کو الگ کرنے کے لیے	صابر، ضامن، عادل، معاذ اسکول گئے ہیں
وقفہ	؛	مختصر ٹھہراؤ	چھوٹے جملوں کو ملا کر ایک بڑا جملہ بنانے کے لیے	سیب صحت بخش پھل ہے؛ یہ لذیذ بھی ہے اور آسانی سے دستیاب بھی ہے۔
رابطہ	:	ٹھہراؤ	جملہ کے دو الگ الگ حصوں میں رابطہ کے لیے	ارشد: میں اندر آجاؤں گا

تفصیلیہ	:	-	ایک جملے کی تفصیل دوسرے جملے میں دینے کے لیے	حیدرآباد میں مندرجہ ذیل تاریخی عمارتیں قابلِ دید ہیں
ختمہ	۔	مکمل ٹھہراؤ	جملے کے اختتام پر لکھا جاتا ہے	احمد بازار گیا ہے۔
سوالیہ	؟	دریافت کرنا/ معلوم کرنا		تاج محل کس شہر میں ہے؟
ندائیہ	!	مخاطب کرنا/کسی کو پکارنا		معزز سامعین !
فجائیہ	!	جذبات اور احساسات کا اظہار		واہ! کیا خوب شعر کہا ہے آہ! حادثہ میں لڑکا بچ نہ سکا
واوین	" "		کسی کے قول کو نقل کرنے کے لیے	گاندھی جی نے کہا" خود وہ بدلاؤ بنئے جو آپ دنیا میں دیکھنا چاہتے ہیں"
قوسین	( )	جملہ معترضہ	جملہ میں اضافی وضاحت کے لیے	آگ کا دریا(قرۃالعین حیدر) شاہکار ناول ہے۔

رموزواو قاف کے استعمال کی مشق ضروری ہے تاکہ آپ کی تحریر واضح ہو اور پڑھنے والے اسے بہ آسانی سمجھ سکیں۔مذکورہ بالا تمام باتوں کو ملحوظ خاطر رکھ کر کسی موضوع پر عبارت لکھیں انشاپردازی کی استعداد آپ کے اندر پیدا ہو جائے گی۔ ذیل میں موبائیل کے موضوع پر ایک عبارت دی جارہی ہے آپ بھی اسی طرز پر اپنے پسندیدہ موضوع پر عبارت تحریر کیجیے۔

موبائیل:

دور حاضر کی ایجادات میں موبائیل کی ایجاد سائنس کا ایک بہت بڑا کارنامہ ہے۔ آج لوگ اس کے اتنے عادی ہو چکے ہیں کہ موبائیل کے بغیر زندگی کا تصور نہیں کرسکتے۔ موبائیل کا کوئی نعم البدل نہیں ہے لیکن موبائیل کئی ساری چیزوں کا نعم البدل بن گیا ہے جیسے وقت معلوم کرنے کے لیے لوگ کلائیوں پر گھڑیاں باندھتے تھے۔ آج موبائیل اسکرین پر گھڑی موجود ہے۔ دن مہینوں اور سال کا حساب کتاب رکھنے کے لیے دیواروں کو کیلنڈر سے مزین کرتے تھے لیکن ابھی موبائیل اس ضرورت کو پورا کر رہا ہے۔ ساکن تصویر کھینچنے اور متحرک تصویر بنانے کے لیے الگ الگ کیمرے ہوا کرتے تھے موبائیل میں یہ سہولت بھی دستیاب ہے۔ روپئے پیسوں کا حساب کتاب کرنے کے لیے کیلکولیٹر اور ایمرجنسی لائٹ موجود ہے۔ اخبار پڑھنا چاہیں تو e - paper موجود ہے۔ خبریں سننا چاہیں تو ریڈیو اور دیکھنا چاہیں تو چینالس موجود ہیں۔ جدید ٹکنالوجی نے ریڈیو، ٹی وی، وی سی آر اور سینما اسکرین کو ایک چھوٹے سے موبائیل میں مقید کر دیا ہے۔ کمپیوٹر کے ذریعے email بھیجنا ہو یا online کتابوں کا مطالعہ کرنا سب کچھ موبائیل کے ذریعے ممکن ہے۔ بچے ویڈیو گیمس بہت شوق سے کھیلا کرتے تھے

لیکن اب موبائیل ہی میں یہ سارے کھیل دستیاب ہیں۔ بینک میں قطار لگا کر کھڑے رہنے کی ضرورت نہیں Online Banking کے ذریعے پیسے کا لین دین بہت آسانی سے کرسکتے ہیں۔ سفر کے لیے سواری کی بکنگ اور بھوک لگے تو کھانے کا آرڈر بھی موبائیل کے ذریعے کرسکتے ہیں۔ Online شاپنگ میں گھر کا سودا سلف ہی نہیں کپڑے اور دیگر ساز و سامان منگائے جاسکتے ہیں ہوائی جہاز سے لے کر ریل کا ٹکٹ بک کرایا جاسکتا ہے۔ غرض جہاں موبائیل ہر مرض کا واحد علاج بن گیا ہے وہیں کئی امراض کا واحد سبب بھی بن گیا ہے۔ دنیا میں ہر چیز کے فوائد و نقصانات ہوتے ہیں یہ انسان کی سمجھ بوجھ پر ہے کہ اس کا استعمال کس طرح کرتا ہے۔

8.4 انشاپردازی کے نمونے

یوں تو اردو ادب میں متعدد انشاپرداز صاحبِ اسلوب قلم کار ہیں جیسے سرسید احمد خاں، مولانا عبدالماجد دریابادی، نیاز فتحپوری، سجاد حیدر یلدرم، مولانا ابوالکلام آزاد، خواجہ حسن نظامی، مہدی افادی، پطرس بخاری، رشید احمد صدیقی، مختار مسعود، ملا رموزی، مشتاق احمد یوسفی وغیرہ وغیرہ یہاں دو مختلف طرز کے انشاء پردازوں خواجہ حسن نظامی اور محمد حسین آزاد کی تحریروں سے اقتباسات بطور نمونہ پیش کیے جارہے ہیں۔ جہاں خواجہ حسن نظامی کی تحریروں میں سادگی و سلاست اور شگفتگی کا احساس ہوگا وہیں محمد حسین آزاد کا رنگین اور دلنشین اسلوب ہے جس میں تشبیہات استعارات، تمثیل نگاری ایک ادبی شان پیدا کرتی ہے۔ دونوں کے طرزہائے تحریر کا اپنا حسن و دلکشی ہے۔

خواجہ حسن نظامی کی انشاپردازی:

خواجہ حسن نظامی کے انشائیوں کی ایک خاص خوبی ایجاز و اختصار ہے۔ جس میں زبان اہم رول ادا کرتی ہے۔ سادگی میں شگفتگی اور سلاست میں نفاست' اختصار میں جامعیت ان کی خصوصیت ہے وہ اردو کی روزمرہ ٹکسالی زبان میں انشائیے لکھتے ہیں۔ ان کی زبان کی شیرینی و شگفتگی ان کے انشائیوں کی نمایاں خصوصیت ہے۔ ان کی زبان کے متعلق مولوی عبدالحق لکھتے ہیں۔

> ''ایک صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ میں اچھی اردو سیکھنا چاہتا ہوں' کیا پڑھوں؟ میں نے کہا اگر تم صاف ستھری اور نکھری ہوئی اردو اور دلی کی اصل زبان' پڑھنا اور سیکھنا چاہتے ہو تو خواجہ حسن نظامی صاحب کی تحریر پڑھو' زبان کے مزے کے ساتھ دلی کیفیات اور جذبات کا لطف بھی آئے۔ اس میں کسے انکار ہو سکتا ہے؟

اور مولانا شبلی نے خواجہ حسن نظامی کی نثر میں شاعری کے انداز کو ان کی تحریروں کا حسن قرار دیتے ہوئے لکھا:

> ''خواجہ صاحب نثر میں ایسی بے نظیر شاعری کرتے ہیں جس کا اثر آجکل نظموں میں بھی بہت کم پایا جاتا ہے۔''

روانی' رنگینی اور رعنائی اُن کی زبان کا جوہر ہے۔ خیالات و افکار میں جدت و ندرت کے ساتھ طرز ادا میں بھی جدت کا ثبوت ان کی انفرادیت ہے۔ زبان میں محاورے کی چاشنی بھی ہے اور سوز و گداز کی کیفیت بھی۔ انھوں نے حکیمانہ اسرار اور فلسفیانہ نکات کو بھی اس

سادگی اور خوش دلانہ انداز میں بیان کیا ہے کہ زندگی اپنی تمام تر مشکلوں کے باوجود پھولوں بھرا راستہ نظر آنے لگتی ہے اور کانٹوں کی چبھن بھی درد کے ساتھ ایک عجیب کیف کا احساس دلاتی ہے۔ خواجہ حسن نظامی کے انشائیۂ قاری کو راحتِ قلب و ذہن کا سامان عطا کرتے ہیں۔

انشائیہ ''اُلّو'' سے اقتباس:

اُلّو ایک ایسے جانور کا نام ہے جس کی نحوست کو سب مانتے ہیں۔ ضرب المثل کے جملے بے چارے اس پرندے کے وجود پر بن گئے۔ جب کسی گھر یا شہر کی ویرانی بیان کرنی منظور ہو تو کہتے ہیں کہ وہاں تو اُلّو بول رہا ہے یعنی وہ مقام بالکل اُجاڑ ہے۔ آبادی کی چہل پہل بالکل نام کو نہیں اور فقط نحوست اور ویرانہ پن میں ہی اُلّو بدنام ہے۔ حماقت و بے عقلی کے موقع پر بھی اُلّو کا ہی نام لیا جاتا ہے۔ اُلّو کے نام سے بہت بد شگونیاں منسوب ہیں۔

پس ایسے منحوس جانور کے ذکرِ افکار میں کون جی لگائے۔ کس کو رغبت ہوگی کہ بلبل ہزار داستان اور طوطی شکر مقال کے چرچوں کو چھوڑ کر اس بدنام پرندے کے بیان میں مصروف ہو۔ مگر دنیا کے پردہ پر سب آدمی ایک مزاج و طبیعت کے نہیں بستے۔ ہزار اُلّو کو بُرا کہنے والے ہیں تو دو چار اس کی مدح سرائی کرنے والے بھی نکل آئیں گے خاص کر وہ گروہ جو موجودات کے ہر نیک و بد کو صفات یزدانی کا مظہر تصور کرتا ہے۔

جو لوگ بلند آسمان، چمک دار ستاروں، روشن آفتاب و ماہتاب، لہلہاتے باغوں میں شان غیبی کا ظہور مشاہدہ کرتے ہیں جن کو چشم مستانہ جلوۂ راز نظر آتا ہے جو گل کی صورت میں حسنِ ازل کو دیکھتے ہیں جن کی زبان سے ان نظاروں کو دیکھ کر یہ نکلتا ہے کہ اے خدا تو نے یہ چیزیں فضول نہیں بنائیں وہ پست زمین، اندھیری رات، سنسان بیابان، نگاہِ مغموم اور نوک دار کانٹوں میں بھی حقیقت کی نمود پاتے ہیں اور ہر چیز میں خدا کی شان نظر آتی ہے۔

لہٰذا کوئی وجہ نہیں کہ اس جماعت کے رسالہ میں 'جس کا مشرب ہمہ اوست ہے اور جو خیر و شر دونوں میں محمل لیلیٰ کے جرس کی صدا سنتے ہیں 'اُلّو کی سرگذشت نہ لکھی جائے۔ صوفی کی روش یہ ہونی چاہیے کہ ہر اچھی بُری چیز میں منزل مقصود کو تلاش کرے۔ یہ رسالہ صوفیوں کا ہے اس لیے اس میں بھی جہاں عام پسند عنوانوں پر مضامین لکھے جاتے ہیں وہاں ان عنوانوں کو بھی زیرِ بحث لایا جائے جن پر توجہ کرنا قاعدہ اور دستور کی نظر میں قابلِ نفرت ہے۔

الو کے اوصاف:

الو کی زندگی 'بود باش ایک باخدا' تارک الدنیا درویش کی سی ہے۔ وہ آبادی سے گھبراتا ہے، اس کو خلوت ' تنہائی بھاتی ہے۔ عام پرندوں کی طرح رونق دار شہروں اور غل وس شور کے مقام پر آشیانہ نہیں بناتا۔ سرسبز درختوں کی شاخوں پر بیٹھ کر نغمہ سنجی نہیں کرتا جس سے فرحت پسند انسان جی بہلائے۔ الو سارا دن حریص پرندوں کی مثل پیٹ کی خاطر در بدر مارا مارا نہیں پھرتا بلکہ وہ اجاڑ اور غیر آباد کھنڈروں میں نشیمن بناتا ہے جہاں کوئی غیر مانوس آواز اس کی مشغولی میں خلل انداز نہ ہو۔ دن بھر صائم رہتا ہے اور شام کو سورج چھپنے کے بعد رزق کی تلاش میں نکلتا ہے اور جونہی نکلا خدا تعالیٰ شکار کے چند لقمے دلوا دیتا ہے جن سے روزہ افطار کر کے کسی ٹوٹے ہوئے گنبد یا جھکی ہوئی

دیوار پر آبیٹھتا اور ہو ُہو ُ کے نعرے لگانے لگتا ہے۔ اسی ذکر و شغل اور یاد الٰہی میں صبح ہو جاتی ہے اور یہ پکا اور سچا صوفی ریاکاری کے ڈر سے خاموش ہو کر اپنے حجرہ میں گھس جاتا ہے اور حبس دم کر کے مراقبہ میں بیٹھ جاتا ہے۔ پھر شام تک باہر نہیں آتا۔

یہ خود پسند آدمی بادشاہی تاج پہن کر نوبت نقارے بجواتا ہے۔ نوبت خانوں کے لیے اونچے اونچے مکان تیار کراتا ہے اور سمجھتا ہے کہ یہ نوبت ہمیشہ بجے گی لیکن زمانہ کا چکر چند ہی روز میں اس سرکش کو خاک میں ملا دیتا ہے۔ پھر دنیا والے اس کو اس کے نوبت نقاروں کو بالکل بھول جاتے ہیں مگر الو نہیں بھولتا مٹنے والے تاجدار کے خاکی ڈھیر پر جاتا ہے اور نقیب و چوبداروں کی آواز کو صدائے عبرت میں مرنے والے وجود خاکی کو سناتا ہے اور اس کے نوبت خانہ پر بیٹھ کر ٹھیک رات کے بارہ بجے یہ نوبت بجاتا ہے کہ یہاں کی ہر چیز کو فنا ہے باقی رہنے والی بس خدا کی ایک ذات ہے۔

محمد حسین آزاد کی انشاپردازی:

محمد حسین آزاد اعلیٰ درجہ کے انشاپرداز ہیں۔ آزاد نے انشاءپردازی کا آغاز انگریزی انشائیے سے متاثر ہو کر کیا۔ 'نیرنگ خیال' محمد حسین آزاد کے انشائیوں کا مجموعہ ہے۔ اس مجموعے کے بیشتر مضامین انگریزی سے ماخوذ ہیں۔ جن میں ایڈیسن اور جانسن کے علاوہ دیگر مصنفین کے انشائیوں سے بھی آزاد نے استفادہ کیا ہے۔ کرنل ہالرائیڈ کی فرمائش پر آزاد نے اپنے انشائیوں کا یہ مجموعہ 'نیرنگ خیال' کے عنوان سے شائع کیا۔ وہ خود اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ انھوں نے اپنا چراغ انگریزی کے انشائیہ نگاروں کے چراغ سے روشن کیا ہے۔ نیرنگ خیال کے دیباچے میں لکھتے ہیں۔

"میں نے انگریزی انشاءپردازوں کے خیالات سے اکثر چراغ روشن کیا ہے۔"

(نیرنگ خیال، مکتبہ جامعہ ملیہ، نئی دہلی، ص14)

محمد حسین آزاد انگریزی سے بہت زیادہ واقف تو نہیں تھے لیکن پنجاب کے محکمہ تعلیم میں ملازمت کے دوران انگریز عہدیداروں سے تبادلہ خیالات کے ذریعہ استفادہ کیا اور انگریزی مضامین دوسروں سے پڑھا کر سنا کرتے تھے۔ ان پر گفتگو ہوتی تھی اور جو مضامین انھیں پسند آتے ان پر انشائیہ لکھتے تھے۔ اس سلسلے میں لکھتے ہیں۔

''جو لطف طبیعت کو بعض مضامین انگریزی سے حاصل ہوا، نہ چاہا کہ اپنے پیارے اہل وطن کو اس میں شامل نہ کروں' جس قدر ہو سکے اور جس طرح ہو سکے، ایک پرتو اردو میں دکھانا چاہیے۔'' (نیرنگ خیال، مکتبہ جامعہ ملیہ، نئی دہلی، ص15)

آزاد کو امید تھی کہ چراغ سے چراغ روشن ہوتے چلے جائیں گے اور اردو میں بھی انگریزی طرز کی انشاپردازی کی ترویج ہو گی۔ اور زبان و ادب کا دامن وسیع تر ہوتا چلا جائے گا۔ آزاد انگریزی ادیبوں کے وسعتِ خیال اور پرواز فکر اور تازگی مضامین اور طرز بیان کے مداح اور قائل تھے۔ انھوں نے انگریزی انشائیہ نگاروں سے تازگی مضامین اور طرز بیان اخذ کیا اور اسے اپنی زبان کی خصوصیات اور تہذیبی عناصر کو شامل کر کے اپنی جدت طبع اور تمثیلی انداز کے ذریعے اپنی انشاپردازی کے جوہر دکھائے ہیں۔

آزاد انگریزی انشائیہ میں شگفتگی طبع کے ساتھ ساتھ پڑھنے والے کو عقلی یا حسی طور پر متاثر کرنے اور ادب کے ذریعے مقصدیت

کے حصول کو بھی ضروری سمجھتے تھے۔ وہ وقت کے تقاضوں کے مطابق ادب میں بدلاؤ' موضوعات کی سطح پر بھی اور زبان اور طرزِ اظہار سطح پر بھی تبدیلی کی قائل تھے۔ لکھتے ہیں :

> ''اب کچھ اور وقت ہے۔ اسی واسطے ہمیں بھی کچھ اور کرنا چاہیے علوم وفنون کے علاوہ ایسی تصنیفیں بھی چاہئیں ،جو صاف شفاف تصویریں رسوم و اخلاق کی ہماری بزم کلام میں سجائیں۔ ان میں جو ہمارے داغ دھبے ہیں، سب نظر آئیں اور آبِ تاثیر سے دھوئے جائیں۔ تم دیکھتے ہو، بے جان مورتوں میں جان پڑنے کی ساعت آگئی ہے۔ قریب ہے کہ شائستہ زبانوں کی طرح ہماری زبان بھی جان بخشی کی تاثیر پیدا کرے''۔

(نیرنگ خیال، مکتبہ جامعہ ملیہ، نئی دہلی، ص 15)

وہ چاہتے تھے کہ اردو زبان میں بھی ترقی یافتہ زبانوں کی طرح ہر قسم کے علمی مطالب ادا کرنے اور انشا پردازی پر رنگ اور ہر ڈھنگ میں مطالب ادا کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے اور آزاد کی بتائی راہ پر بہت سے مسافر چل پڑے۔ وسعت خیال اور تازگی مضامین کی جہاں تک بات ہے ان کے ہم عصر اور بعد کے آنے والوں نے ان کی تقلید کی لیکن آزاد کے اسلوب اور طرز بیان کی کوئی تقلید نہ کر سکا کیونکہ وہ ان کی شخصی اختراع تھی اور ان ہی پر ختم ہو گئی۔

نیرنگ خیال کے دو انشائیے انسان کسی حال میں خوش نہیں رہتا' اور شہرت عام اور بقائے دوام کا دربار ایڈیسن کے انشائیوں The endeavour of mankind to get rid of their buren adream اور The Vision of the table of fame سے ماخوذ ہیں۔ اور پانچ انشائیے جانسن کے انشائیوں سے اخذ کیے ہیں جس کی فہرست اس طرح ہے۔ آغاز آفرینش میں باغِ عالم کا کیا رنگ تھا اور رفتہ رفتہ کیا ہو گیا' An allegorical History of rest and Labour ' جھوٹ اور سچ کا رزم نامہ Truth falsehood and fiction an allegory ' گلشن امید کی بہار The Garden of hope' سیر زندگی The voyage of life ' علوم کی بدنصیبی The conduct of Patronage ' علمیت اور ذکاوت کے مقابلے The allegory of wit and learning آزاد نے انگریزی ادیبوں سے موضوع اور طرز بیان تو ضرور لیا لیکن اسے مشرقی پس منظر میں پیش کیا۔

آزاد نے تمثیلی انداز میں بہت کامیاب انشائیے لکھے ہیں۔ آیئے پہلے تجسیم اور تمثیل کو جانیں۔ تجسیم (Personification) سے مراد کسی نظر نہ آنے والی شئے کو جسم دے دینا یا بے جان شئے کو جاندار بنا کر دکھانا۔ مثلاً سچ اور جھوٹ نظر نہ آنے والی چیزیں ہیں۔ سچ کو پری اور جھوٹ کو دیو کی شکل میں پیش کیا جائے تو تجسیم کا عمل ہوا۔ اور تمثیل میں بھی کسی مجرد خیال کو مجسم بنا کر ان کرداروں کے ذریعہ کہانی پیش کی جاتی ہے۔ قدیم کلاسیکی ادب میں تمثیل نگاری کو خصوصی حیثیت حاصل تھی اس کا استعمال پند و نصیحت کے لیے کیا جاتا تھا۔ مختلف جسمانی اعضا' جذباتی کیفیتوں اور اخلاقی صفات وغیرہ کو مجسم بنا کر کے انسانی کرداروں کی شکل میں پیش کیا جاتا تھا۔ خیر و شر کی لڑائی اور ان کے اقوال و افعال کے ذریعے پڑھنے والوں تک سبق آموز باتیں پہنچائی جاتی تھیں۔ آزاد نے اس طرز کو اپنا کر اسے اونچائیوں پر پہنچا دیا۔ نیرنگ خیال کے مضامین اسی نوعیت کے ہیں۔ مثلاً محمد حسین آزاد وقت کی اہمیت' اس کے گزرنے کا بے رحم انداز اور اس پر قابو پانے کے

طریقہ کار کو نہایت خوبصورتی سے تمثیلی پیرائے میں بیان کرتے ہیں۔

انشائیہ " وقت" سے اقتباس:

"ایک پیر کہن سال کی تصویر ہے۔ اس کے بازوؤں میں پریوں کی طرح پر پرواز لگے ہیں کہ گویا ہوا میں اڑتا چلا جاتا ہے۔ ایک ہاتھ میں شیشۂ ساعت ہے کہ جس سے اہل عالم کو اپنے گزرنے کا اندازہ دکھا جاتا ہے۔ اور ایک میں درانتی ہے کہ لوگوں کی کشت امید یا رشتۂ عمر کو کاٹتا جاتا ہے۔ یہ ظالم خونریز ہے کہ اپنے گزرنے میں ذرا رحم نہیں کرتا۔ اس کے سر پر ایک چوٹی بھی رکھی ہے کہ جو داناہیں اسے پکڑ کر قابو میں کر لیتے ہیں۔ لیکن اوروں کی چوٹیاں پیچھے ہوتی ہیں۔ اس کی چوٹی آگے رکھی ہے۔ اس میں نکتہ یہ ہے کہ جو وقت گذر گیا وہ قابو میں نہیں آسکتا۔ ہاں جو پیش بین ہیں۔ وہ پہلے ہی روک لے' سو روک لے۔" (نیرنگ خیال، مکتبہ جامعہ ملیہ، نئی دہلی، ص 24)

یہاں آزاد نے وقت کو مجسم بنا کر پیش کیا ہے۔ وقت چونکہ ابتداء سے ہے اس لیے اسے پیر کہن کہا ہے۔ جس سے اس کی قدامت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اور بازوں میں پر لگے ہیں جو وقت کے ہر لمحہ گزرتے رہنے کے خیال کو پیش کرتے ہیں۔ اور ایک ہاتھ میں شیشۂ ساعت گویا دن اور رات کی تمثیل ہے۔ جس میں دن اور رات کا عکس میں وقت کے گزرنے کو دیکھا جاسکتا ہے۔ اور ایک ہاتھ میں درانتی ہے جس سے وہ رشتہ عمر کو کاٹتا جاتا ہے۔ یعنی ہر گزرتا ہوا دن ہماری عمر سے ایک دن کم کر دیتا ہے اور اپنی رفتار کا ایسا پابند اور ظالم ہے کہ کسی کے لیے نہیں رُکتا۔ یہ ایسی اٹل حقیقت ہے کہ وقت کسی کے لیے نہیں رُکتا۔ اور گزرا ہوا وقت دوبارہ نہیں آتا۔ اس لیے ہمیں وقت کی قدر کرتے ہوئے ہر کام کو اس کے طئے شدہ وقت پر کرنا چاہیے۔ ورنہ افسوس کے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکتے۔ ہاں جو دور اندیش اور وقت شناس ہوتے ہیں وہ اپنا ہر کام اپنے منصوبہ بند طریقے سے کرتے ہیں اور اپنی محنت اور صلاحیت سے وقت پر قابو پالیتے ہیں۔ اس پورے اقتباس میں ڈرامائیٹ کا عنصر غالب ہے۔ قاری کے آنکھوں کے سامنے یہ پورا منظر ہوتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ وقت کا گزرنا بس ایک احساس ہے۔ وقت کہیں دکھائی تو نہیں دیتا لیکن آزاد نے اپنی بلند تخیلی طرزِ بیان سے اس منظر کو متحرک بنا کر پیش کیا ہے۔ اسی خوبی کے سبب انھیں محاکات کا بادشاہ کہا جاتا ہے۔ خود کلامی کی کیفیت بھی آزاد کے اسلوب کی ایک اہم خصوصیت ہے۔

نیرنگ خیال کے انشائیوں کے ذریعے آزاد اردو داں طبقے کو انگریزی ادب سے روشناس کرانے کی کوشش کی ہے۔ دو جلدوں پر مشتمل اس کتاب میں 14 انشائیے ہیں۔ پہلا مجموعہ آزاد نے 'نیرنگ خیال" کے عنوان سے 1880ء میں شائع کیا تھا۔ اور دوسرا مجموعہ بھی شائع کرنا چاہتے تھے لیکن اختلالِ دماغ کے عارضے میں مبتلاہو گئے اور یہ کام ادھورا رہ گیا۔ ان کی وفات کے بعد دستیاب مضامین کو ان کے پوتے آغا محمد طاہر نے 'بقائے دوام' کے عنوان سے ۱۹۲۳ء میں شائع کیا جس میں صرف پانچ مضامین شامل ہیں۔ ان مضامین میں آزاد نے ایڈیسن اور جانسن کے انشائیوں کا ترجمہ کیا ہے۔ لیکن ان انشائیوں میں آزاد نے اپنی ذہانت و فطانت جدت طبع اور طرزِ اسلوب سے ان کو ترجمہ سے زیادہ طبع زاد تخلیق کے درجے پر پہنچادیا ہے۔

نیرنگ خیال میں آزاد نے رنگین اور دلنشین اسلوب اختیار کیا ہے۔ وہ اپنی زبان واسلوب نگارش سے کسی بھی موضوع کو گل گلزار

بنادیتے ہیں۔ ان کی اسی سحر بیانی پر شبلی نے کہا تھا کہ ''وہ گپ بھی ہانک دے تو وحی معلوم ہوتی ہے۔'' اور مہدی افادی نے بجا طور پر آقائے اردو کا خطاب دیا تھا۔ آزاد کو زبان پر بے پناہ قدرت حاصل تھی۔ ان کی نادر تشبیہات استعارات بے مثال تمثیل نگاری اور شگفتہ بیانی انھیں اردو انشا پردازی میں ایک نمایاں مقام عطا کرتی ہے۔

8.5 اکتسابی نتائج

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ نے درج ذیل باتیں سیکھیں:

- لفظ انشا کہاں کہاں کن کن معنوں اور اصطلاحوں میں استعمال ہوتا رہا اور نویں صدی میں فارسی زبان و ادب کے زیر اثر انشا کے معنی لکھنے کے فن کے لیے مختص ہو گئے۔
- اس اکائی میں انشا پردازی کے فن پر نہایت تفصیل سے گفتگو ہوئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ ایک اچھا انشا پرداز بننے کے لیے کن کن باتوں کو ملحوظ خاطر رکھنے کی ضرورت ہے۔
- اور آخر میں اردو کے دو معروف انشا پرداز محمد حسین آزاد اور خواجہ حسن نظامی کی تحریروں سے اقتباسات دیئے گئے ہیں تا کہ آپ ان کا مطالعہ کریں اور انشا پردازی کے فن اور تقاضوں کو سمجھیں اور مشق کر کے اپنے اندر انشا پردازی کی صلاحیتیں پیدا کرنے کی کوشش کریں۔
- انشا پردازی عبارت آرائی کا نام ہے۔ انشا پردازی اور انشا نگاری میں فرق ہے۔ انشا پردازی لکھنے کا فن ہے جبکہ انشائیہ غیر افسانوی اداب کی ایک قسم ہے۔
- انشا پردازی ایک فن ہے۔ ہم الفاظ کو باہم اس غرض سے ملائیں کہ ہمارے خیالات اوروں پر ظاہر ہو جائیں۔
- اچھی عبارت وہ ہے جس میں امداد / انشا کا کوئی عیب نہ ہو۔
- انشا پردازی میں املا کی درستگی کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے۔
- انشا پردازی میں الفاظ کے انتخاب کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ الفاظ کے معنی و مفہوم، اس کے مترادفات، متضاد الفاظ کا علم ہونا بھی ضروری ہے تا کہ ضرورت کے لحاظ سے ان کا استعمال کیا جا سکے۔
- عبارت میں روز مرہ، قواعد اور محاورہ نہایت اہمیت کے حامل ہیں۔
- اچھی نثر کی ایک خوبی روانی ہے۔ جملہ لکھنے کے بعد اسے بار بار پڑھ کر دیکھا جائے کہ کہیں کوئی لفظ ایسا تو نہیں ہے جس سے جملے کی ادائیگی میں رکاوٹ آ رہی ہو۔
- رموز او قاف کے استعمال سے واقفیت بھی انشا پردازی کے فن کو نکھار سکتا ہے۔

8.6 کلیدی الفاظ

الفاظ	:	معنی	الفاظ	:	معنی
مافی الضمیر	:	دل کی بات، مطلب، مدعا	عبارت	:	تحریر
ترسیل	:	بھیجنا، روانہ کرنا	ابلاغ	:	پہنچانا، اشاعت
ملحوظ	:	لحاظ کیا گیا، خیال کیا گیا	صنف	:	نوع، قسم
لغوی	:	لغت سے منسوب، اصلی	ریاضت	:	محنت، مشقت
ساسانی	:	قدیم شاہانِ ایران کا ایک خاندان	علت	:	وجہ، سبب
منشائے مصنف	:	قلم کار کے دل کی بات	غایت	:	غرض، مطلب
محظوظ	:	مسرور ہونا، لطف اندوز ہونا	دِقت	:	مشکل
زائیدہ	:	پیدا کیا ہوا	مکتوبات	:	مکتوب کی جمع، خطوط
جزوِ اعظم	:	بڑا حصہ	نہج	:	طور، طریقہ
مرہونِ منت	:	احسان مند، شکر گزار	تارِ عنکبوت	:	مکڑی کا جال
وارث	:	مردے کے مال کا صحیح حقدار	اطلاق	:	جاری کرنا، منطبق ہونا
محکمہ	:	حکم کرنے کی جگہ، عدالت، کچہری	مستعمل	:	عمل / کام میں لایا گیا ہو
مشتق	:	نکلا ہوا، وہ لفظ جو کسی دوسرے لفظ سے بنایا گیا ہو			
اصطلاح	:	کسی لفظ کو عام معنوں کے بجائے مخصوص معنوں میں استعمال کرنا			
صنائع وبدائع	:	کلام میں موجود باریکیوں کا مطالعہ جو اس میں معنویت اور حسن پیدا کرتے ہیں			
مسودہ	:	وہ تحریر جو سرسری طور پر لکھی جائے اور جسے صاف و صحیح کرنے کی ضرورت ہو			

8.7 نمونہ امتحانی سوالات

معروضی سوالات

1۔ انشا کے لغوی معنی کیا ہے؟

(A) پیدا کرنا (B) نشر کرنا (C) تحقیق کرنا (D) تجزیہ کرنا

2۔ انشاء کا لفظ ابتداء میں ایک۔۔۔۔۔۔۔۔ اصطلاح تھا۔

(A) دفتری (B) گھریلو (C) کاروباری (D) معاشرتی

3۔ انشائیہ_____ہے۔

(A) شاعری کی صنف (B) افسانوی ادب (C) غیر افسانوی ادب (D) کلاسیکی شعری صنف

4۔ اردو کا انشائی ادب پر_____زبان کے انشائی ادب کا اثر پڑا۔

(A) عربی (B) فارسی (C) ترکی (D) فرانسیسی

5۔ _____تک فارسی میں نثر مکتوبات کے علاوہ نثر مصنوع کے فن پاروں کے لیے انشا کا لفظ رائج ہو چکا تھا۔

(A) چھٹی صدی ہجری (B) ساتویں صدی ہجری (C) آٹھویں صدی ہجری (D) نویں صدی ہجری

مختصر جوابات کے حامل سوالات

1۔ انشا پردازی کے اصول بیان کیجیے۔

2۔ تحریر میں رموز واوقاف کے علامتوں کے استعمال کی ضرورت واہمیت پر ایک نوٹ لکھیے۔

3۔ یومِ آزادی پر ایک تیس سطروں پر مشتمل عبارت تحریر کیجیے۔

طویل جوابات کے حامل سوالات

1۔ انشا کے معنی ومفہوم بیان کیجیے۔

2۔ اردو کے کسی ایک انشا پرداز کے فن سے متعلق اپنی معلومات قلمبند کیجیے۔

3۔ صحیح املا کسے کہتے ہیں مثالوں سے واضح کیجیے۔

8.8 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1۔ رشید حسن خان : انشا اور تلفظ

2۔ اختر حسین فیضی مصباحی : قواعد املا وانشا

3۔ ماہ لقا رفیق : اردو قواعد وانشا پردازی

4۔ سید محی الدین قادری زور : فن انشا پردازی

5۔ وحید قریشی : اردو کا بہترین انشائی ادب

معروضی سوالات کے جوابات

A-1 A-2 C-3 B-4 B-5

نمونہ امتحانی پرچہ

بی اے (اردو)، تیسرا سمسٹر

پرچہ: بنیادی اردو۔2

B.A. Urdu 4th Semester

Paper : Buniyadi Urdu-2 Subject Code : BNUR401AET

وقت: دو گھنٹے **Time : 2 hours** **نشانات: Marks 35**

ہدایات:

یہ پرچہ تین حصوں پر مشتمل ہے: حصہ اول، حصہ دوم اور حصہ سوم۔ تمام حصوں سے جواب دینا لازمی ہے۔

1. حصہ اول کے تمام سوالات لازمی ہیں۔ ہر سوال کے لیے 1 نمبر مختص ہے۔ (5 x 1 = 05 Marks)
2. حصہ دوم میں 08 سوالات ہیں۔ طالب علم کو کوئی 05 سوالوں کے جواب دینے ہیں۔ ہر سوال کے لیے 4 نمبرات مختص ہیں۔ (5 x 4 = 20 Marks)
3. حصہ سوم میں 02 سوالات ہیں۔ طالب علم کو کوئی 01 سوال کا جواب دینا ہے۔ ہر سوال کے لیے 10 نمبرات مختص ہیں۔ (1 x 10 = 10 Marks)

حصہ اول

سوال:1

i. محاورہ کس زبان کا لفظ ہے؟

(a) عربی (b) اردو (c) فارسی (d) انگریزی

ii. استعارے کے لغوی معنی کیا ہیں؟

(a) ادھار لینا (b) واپس کرنا (c) مانگ لینا (d) عطا کرنا

iii. جب شعر میں کسی تاریخی واقعے کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے تو اس میں کون سی صنعت ہوتی ہے؟

(a) لف و نشر (b) تجنیس (c) تلمیح (d) حسن تعلیل

iv. اردو میں مضمون نگاری کا آغاز کس رسالے سے ہوا؟

(a) قران السعدین (b) فوائد الناظرین (c) خیر خواہِ ہند (d) محب ہند

v. ذیل میں سے خط کے اجزا کی نشاندہی کیجیے۔

(a) دفتری خط (b) ذاتی خط (c) کاروباری خط (d) داب

حصہ دوم

2۔ مفرد جملے کی تعریف کیجیے۔

3۔ محاورے کے لیے متعین کردہ کسی ایک شرط کا ذکر کیجیے۔

4۔ املا کی تعریف بیان کیجئے۔چند مثالیں بھی لکھیے۔

5۔ استعارہ کسے کہتے ہیں؟لکھیے۔

6۔ درخواست کیوں لکھی جاتی ہے؟مثالیں دیجیے۔۔

7۔ خط کی سوانحی اہمیت پر روشنی ڈالیے۔

8۔ انشائیہ کسے کہتے ہیں؟بیان کیجیے۔

9۔ انشاپردازی کے اصول بیان کیجیے۔

حصہ سوم

10۔ کہاوت اور محاورے کے مماثلات وافتراقات پر ایک مضمون تحریر کیجیے۔

11۔ سرسید تحریک سے وابستہ چند مضمون نگاروں کے بارے میں لکھیے۔

*****